# نمل

نمرہ احمد

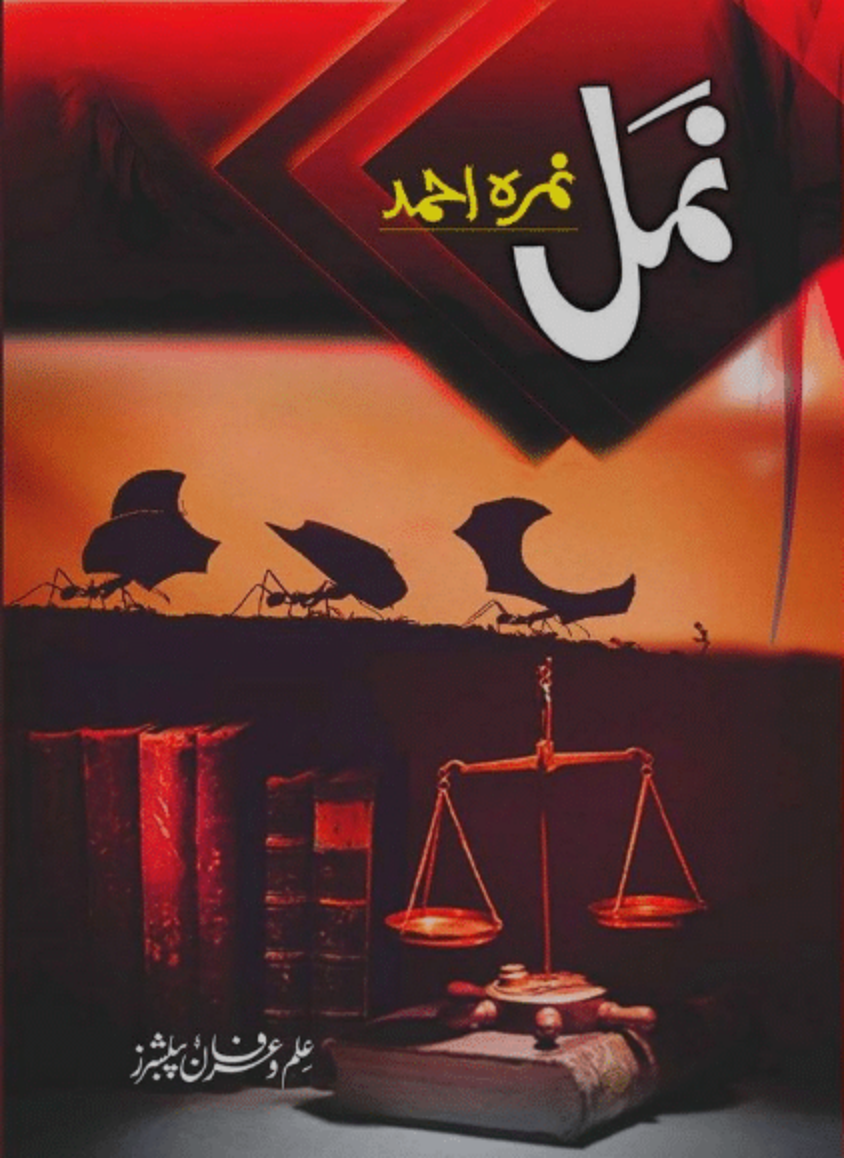

علم و عرفان پبلشرز

# انتساب!

مجھے قرآن پڑھانے، تفسیر سمجھانے اور تدبر سکھانے والی

میری استاذہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی کے نام !

جو آج بھی مجھے بار بار قرآن کی طرف واپس لے آتی ہیں...

# پیش لفظ

سب تعریف اور سارا شکر اللہ کے لیے ہے۔

شاہ زیب خان قتل کیس اور نیب آفیسر کامران فیصل قتل کیس سے متاثر ہو کر لکھے جانے والا ناول ''نمل'' جو تین سال پہلے ایک ایک حرف کاغذ پہ اتارنے سے شروع ہوا تھا' آج ایک مجسم حقیقت بن کے آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ''خون'' اور ''دل'' سے جڑے نور اور انہی دونوں سے جڑے گناہوں کی کہانی ہے۔ نمل میں آپ کو مختلف اقسام کے لوگ ایک جگہ جمع نظر آئیں گے اور وہ سب ہماری زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان سب میں برائیاں اور اچھائیاں دونوں موجود ہیں۔ نمل کے اچھے کردار اتنے اچھے نہیں ہیں اور برے مکمل طور پہ برے نہیں ہیں۔ آپ نے ان سرمئی کرداروں کی اچھائیوں کو اپنانا ہے اور ان کی برائیوں سے سبق سیکھنا ہے۔ ان کے دکھوں سے اپنا کتھارسس کرنا ہے اور ان کی کامیابیوں سے اپنے لیے راہ متعین کرنی ہے۔ کہانیوں میں دل دکھا دینے والے واقعات کی منظر کشی اس لیے کی جاتی ہے تا کہ زندگی میں آگے بڑھتے قاری کے سینے میں جو دل برف بنتا جا رہا ہے' اس کو کلہاڑا مار کے توڑا جا سکے۔ وہ ٹوٹے گا تو اندر روشنی اور تپش داخل ہو گی' پھر ہی وہ پگھل کے نرم پڑے گا اور جذبوں کو پرانی شدت سے محسوس کر سے گا۔ اگر ہم ایسا نہ لکھیں اور ایسا نہ پڑھیں تو دنیا کے دھکے' دکھ اور تکالیف ہمیں سرد مہر اور بے حس بناتی چلی جائیں گی۔ نمل کو بھی میں نے اسی لیے لکھا ہے تا کہ آپ اپنے دل کے مرائض کی شفا بھی پہچانیں' اور اپنے خون کے رشتوں کے ساتھ واپس بھی جڑ جائیں۔

اس کتاب کو لکھنے کے لیے مجھے بہت سے پیارے لوگوں کا بھرپور ساتھ حاصل رہا۔

میری ڈائجسٹ ایڈیٹر امت الصبور جن کی راہنمائی اور تعاون کے بغیر کوئی بھی قسط مکمل کرنا مشکل تھا۔ امتل نے میری پہلی کہانی قابل اشاعت قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ دس سال بعد وہ میری تحاریر کو ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے دیکھیں گی۔ آج اس بات کو پورے دس سال ہو چکے ہیں۔ دسمبر 2006 سے دسمبر 2016 کی یہ لمبی مسافت میں کبھی بھی نہ کاٹ سکتی اگر امتل ہر قدم پہ میرے ساتھ نہ ہوتیں۔ انسان صرف کوشش کر سکتا ہے۔ اس کی تحریر کی خامیوں کا پردہ رکھ کے اسے کامیابی اللہ دیتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ناکامیوں سے سبق سیکھنے اور کامیابیوں پہ غرور نہ کرنے کی توفیق دے۔

لیلیٰ خان.... نمل اس کا بھی ناول ہے۔ وہ نمل کی پہلی قاری' پہلی مداح اور پہلی نقاد ہے۔ ہر ماہ سب سے پہلے وہی نمل پڑھتی اور

اسے کمپوز کرتی' اور اس کے ایک ایک زاویے سے مجھے اس کی خامیاں اور خوبیوں بتاتی۔ خلوص والے لوگ تو بہت مل جاتے ہیں مگر لیلیٰ جیسا خلوص اور سادگی بہت کم کم ملتی ہے۔ تمہارا شکریہ لیلیٰ... تم نہ ہوتیں تو میں کیا کرتی؟

اور یہی خلوص اور سادگی میری ٹیم کے دوسرے دو موتیوں میں بھی ویسی ہی موجود ہے۔ عاصمہ انجم... جو نمل کی ''کیئر ٹیکر'' رہی ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی بات اور بڑے سے بڑے کام کے لیے وہ ہر وقت حاظر ہوتیں۔ مجھے علم بھی نہ ہو پاتا اور وہ میرے کندھوں سے نامحسوس انداز میں اتنا ڈھیر سارا بوجھ اٹھا لے جاتیں۔ آپ کا شکریہ عاصمہ!

اور پھر ہم سب کی پیاری... اقرا بنت سلیم... نمل کی کتاب کا ٹائیٹل ڈیزائن کرنا ایک طرف... اقراء کا ساتھ جو اس عرصے میں مجھے حاصل رہا وہ خوش نصیبی ہے میری۔ وہ لیلیٰ اور عاصمہ کے ساتھ مل کے نمل کی ایک ایسی مضبوط ٹیم بنی رہی جس نے مجھے کسی موقعے پہ اکیلا نہیں رہنے دیا' اس کا احسان میں کبھی نہیں اتار سکتی۔

عائشہ ثاقب اور میرے فیس بک پیج کے تمام ممبرز کا شکریہ جو مجھے شاعری کے چناؤ میں میری مدد کرتے رہے۔ یہ میرا شعبہ کبھی نہیں رہا تھا مگر آپ سب کی اور بالخصوص عائشہ کے بغیر یہ اتنے اچھے طریقے سے میں شاید کبھی سرانجام نہ دے پاتی۔

ایڈووکیٹ سامعہ اقبال اور ایڈووکیٹ آمنہ آفتاب کا بے حد شکریہ جن کی راہنمائی میرے ساتھ ہر وقت رہی۔ اور ان تمام لوگوں کا بھی شکریہ جن کی جاب کی حساسیت کی وجہ سے میں ان کا نام نہیں لکھ سکتی لیکن ان کے بغیر میں نمل شروع بھی نہ کر پاتی شاید۔

اپنے ناشر محترم گل فراز صاحب (علم و عرفان پبلشرز) کی میں بے حد ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف میری اس کتاب کو اشاعت کا شرف بخشا بلکہ ہر مرحلے پہ میری رائے اور پسند، ناپسند کو ترجیح دی۔ بہت کم پبلشرز اتنی پروفیشنل سوچ رکھتے ہیں اور میں گل فراز صاحب کی دل سے بہت ممنون ہوں کہ انہوں کسی بھی موقعے پہ' چاہے وہ ٹائیٹل کا معاملہ ہو یا کتاب کو ایک جلد میں لانے کا مسئلہ' ہمیشہ میری رائے کا احترام کیا۔

یہاں میں بک پائیریسی کا بھی ذکر کرنا چاہوں گی کہ کس طرح وہ ہمارے ادارے اور رائٹرز کے لیے زہر قاتل ثابت ہو رہی ہے۔ خاص طور پر کراچی اور حیدر آباد کے قارئین سے گذارش ہے کہ وہ کتاب اپنے مستند بک سیلر سے خریدیں اور اس بات کی تصدیق کر لیں کہ کتاب اصل ہو۔

نمرہ احمد

6 فروری 2017

# آئینہ


| | | |
|---|---|---|
| باب:1 | ہمارا سعدی | 11 |
| باب:2 | فریب کار | 59 |
| باب:3 | پہلا تاثر، پہلا تعارف | 108 |
| باب:4 | انسان دوست | 152 |
| باب:5 | بیماری میں اور صحت میں | 195 |
| باب:6 | پانی سے گاڑھا (حصہ اوّل) | 229 |
| باب:7 | پانی سے گاڑھا (حصہ دوم) | 270 |
| باب:8 | میں غارت گر (حصہ اوّل) | 315 |
| باب:9 | میں غارت گر (حصہ دوم) | 366 |
| باب:10 | عقد | 414 |
| باب:11 | کیا میں ہوں اپنے بھائی کا رکھوالا؟ | 466 |
| باب:12 | یا صاحبی السجن | 517 |
| باب:13 | مَن الماس را بہ ملکہ دادم! (حصہ اوّل) | 570 |
| باب:14 | مَن الماس را بہ ملکہ دادم! (حصہ دوم) | 616 |

| | | |
|---|---|---|
| باب:15 | اور وحی کی آپ کے ربّ نے شہد کی مکھی کی طرف! | 665 |
| باب:16 | میرا مرضِ مُستَمِر! | 710 |
| باب:17 | آدمی کے دو دِل | 756 |
| باب:18 | بھاری ہے وہ سر..... جو پہنتا ہے تاج! | 806 |
| باب:19 | حقِ دفاع از خویشتن | 860 |
| باب:20 | لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے | 908 |
| باب:21 | کافر، ماکر، کاذب، قاتل (حصہ اوّل) | 964 |
| باب:22 | کافر، ماکر، کاذب، قاتل (حصہ دوم) | 1010 |
| باب:23 | مور چال | 1062 |
| باب:24 | ٹوٹے تارے جیسا دل | 1111 |
| باب:25 | اِک مسافت عالَمِ تنویم میں.....! | 1162 |
| باب:26 | فرزندِ نازنین! | 1211 |
| باب:27 | میں حنین ہوں اور میں عام ہوں! | 1262 |
| باب:28 | آبزیدان (The Aquarium) (حصہ اوّل) | 1318 |
| | آبزیدان (The Aquarium) (حصہ دوم) | 1363 |
| باب:29 | شہ مات | 1383 |
| باب:30 | اِیدُس مارزِیے ابھی بیتے نہیں! | 1425 |


❖❖❖

# کتابِ اوّل

## نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا

### باب 1:

## ہمارا سعدی

اور خدا نے انعام کیا
نوح علیہ السلام پر
اور ان کے بیٹوں پر
اور ان سے فرمایا
آباد رہو اور پھیلتے جاؤ
اور زمین کو بھر دو
تمہارا خوف اور تمہاری ہیبت
ہوگی زمین کے ہر درندے پر
آسمانوں کے ہر پرندے پر
مٹی پہ رینگنے والی ہر شے پر
اور سمندر کی تمام مچھلیوں پر
تمہارے ہاتھوں میں وہ پہنچائی جائیں گی
ہر زندہ محرک شے تمہاری غذا ہوگی
اور جیسے میں نے تمہیں عطا کیے ہیں
سرسبز پودے
ویسے ہی میں تمہیں ہر شے عطا کروں گا
مگر.....!
تم ماس کو اس کی جان کے ساتھ نہیں کھاؤ گے

اور اس کی جان اس کا خون ہے
اور تمہاری جان کے خون کا
میں حساب لوں گا
ہر درندے اور ہر انسان سے
اور میں یقیناً حساب لوں گا ہر انسان سے
اس کے ساتھی انسان کی
جان کا!
(عہد نامہ قدیم۔تورات)

نہ مدعی' نہ شہادت حساب پاک ہوا

صحن تاریک تھا اور طویل برآمدہ نیم روشن۔فجر کی دو اذانیں دی جا چکی تھیں اور آسمان گہرا جامنی تھا۔برآمدے کے آگے کوٹھڑیاں در کوٹھڑیاں تھیں جن کے دروازے سلاخ دار تھے اور جن کی میلی دیواروں پہ لکیریں' نشان' نام سے لکھے تھے۔کچھ قیدی سو رہے تھے۔کچھ جاگ رہے تھے۔

یہاں زندگی دو انتہاؤں کے درمیان لٹکتی تھی۔

سیاہ دھاری' سفید دھاری سے مکمل الگ ہو چکی تو فجر کی تیسری اذان گونجنے لگی۔ہواؤں نے مؤذن کی آواز کو اپنے پروں پر اٹھایا اور صحن میں پھیلا دیا۔

''اللہ سب سے بڑا ہے....اللہ سب سے بڑا ہے۔''

ایسے میں برآمدے میں دو پہرے دار ٹہلتے ٹہلتے ایک ستون کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے۔ایک نے بیڑی سلگائی اور دوسرے کو پیشکش کی' جسے دوسرے نے مسترد کر کے پھر سے اس حوالاتی قیدی کی کوٹھڑی کو دیکھا۔جس کے سامنے وہ کھڑے تھے۔

پہلے سپاہی عبدالشکور نے بھی گردن موڑی' پھر استہزائیہ مسکا کر سر جھٹکا۔

''محمد دین! بار بار اس بدمزاج آدمی کو نہ دیکھا کر۔اس کا دماغ پہلے ہی خراب رہتا ہے۔تیری ہمدردی سے وہ اور شیر ہو جائے گا۔'' لبوں سے دھواں چھوڑتے اس نے تنبیہ کی۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔'' مؤذن کی صدا برابر آ رہی تھی۔

محمد دین تاسف سے اسی کوٹھڑی کو دیکھتا رہا۔جس میں سفید لباس میں ملبوس قیدی نماز کا کپڑا بچھاتا نظر آ رہا تھا۔

''کیا یوں نماز پڑھنے سے اللہ معاف کر دیتا ہے؟'' محمد دین نے مایوس آواز میں پوچھا۔

قیدی اب آستینیں کلائیوں تک برابر کر رہا تھا جو اس نے وضو کے لیے اوپر چڑھائی تھیں۔اس کی پشت ان دونوں کی جانب تھی۔

''قتل کبھی معاف نہیں ہوتا اور جو اس کی طرح اپنی بیوی اور سگے بھائی کو قتل کر دے۔وہ تو کبھی معاف نہیں ہوگا۔'' بیڑی کا بڑا سا کش اندر کھینچتے عبدالشکور نے فتویٰ دیا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

''مگر اس کی بیوی اور اس کے بھائی کے تعلقات تھے۔ اس نے غیرت میں قتل کیا تھا۔ یہی سننے میں آیا ہے۔ تب ہی تو چار سال سے جیل میں ہے۔''

محمد دین ستون سے ٹیک لگائے ترحم سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نماز کی طرف آؤ' نماز کی طرف آؤ۔''

قیدی اب کپڑے کے سرے پہ کھڑا تکبیرات پڑھتا رفع یدین کر رہا تھا۔ برآمدے کی مدھم روشنی میں اس کا نیم رخ واضح تھا۔ سفید شلوار' سفید کرتا' بالکل کفن جیسا۔ اب گردن جھکی تھی۔ ہاتھ سینے پہ تھے۔ قدرے لمبے بال دو انچ کی پونی میں بندھے تھے۔ اس کا عمومی تاثر صاف ستھرے' اونچے' مضبوط جسم اور خوبصورت نقوش والے مرد کا پڑتا تھا۔

''فلاح کی طرف آؤ' فلاح کی طرف آؤ۔''

اذان ہواؤں میں ترنم گھولتی سنائی دے رہی تھی۔

''تو بیوی کو طلاق دے دیتا' بھائی سے تعلق توڑ لیتا' قتل کرنا ضروری تھا؟ اور لوگ نماز توبہ و وبہ کے لیے نہیں پڑھتے' ان کو رہائی چاہیے ہوتی ہے۔'' تلخی سے کہہ کر اس نے ایک اور کش کھینچا۔

''مگر ایک بات ماننے کی ہے۔ اس کے غصے کے علاوہ یہ بندہ برا نہیں تھا۔ تجھے پتا ہے۔ اس کا انٹیلی جینس میں اونچا عہدہ تھا۔ اچھا خوبصورت جوان تھا۔ مگر بیوی ایسی نکلی کہ.... چچ چچ.... زندگی برباد ہو گئی فارس غازی کی۔''

اندر فارس غازی اب رکوع میں جھک رہا تھا۔

''نماز نیند سے بہتر ہے۔ نماز نیند سے بہتر ہے۔''

فضا میں تیرتی آواز ملائمت سے ستونوں سے ٹکرا رہی تھی۔

''ہاں تو اپنا کیا سامنے آتا ہے۔ اب یہ بچے گا تھوڑی ہونہہ....'' لاپروائی و استہزا سے سر جھٹک کر عبدالشکور جانے کو پلٹا۔ تب ہی محمد دین کسی سحر کے زیر اثر بولا۔

''مگر وہ کہہ رہا تھا' یہ رہا ہو جائے گا''

عبدالشکور نے حیرت سے رک کر اپنے ساتھی کو دیکھا۔

''یہ.... فارس غازی' رہا ہو جائے گا؟ یہ کس نے کہا؟''

وہی.... وہ لمبا.... خوبصورت.... گھنگھریالے بالوں والا لڑکا جو اس سے ملنے ہر ہفتے آتا ہے۔'' محمد دین کی نگاہیں ہنوز اس پہ مرکوز تھیں۔ فارس غازی اب سجدے میں سر رکھے ہوئے تھا۔

''وہ اس کا بھانجا؟ کیا نام ہے اس کا؟ اور اس کے لگنے سے کیا ہوتا ہے؟''

''اس کی بات ہمیشہ سچ ہو جاتی ہے۔ پہلے اس نے کہا تھا ہفتہ وار پیشی ہوا کرے گی۔ ایسا ہی ہوا۔ پھر اس روز وہ کہہ کر گیا کہ اس ہفتے یہ رہا ہو جائے گا۔''

''نا تو اس کا بھانجا یہ سب تجھے کیوں بتاتا رہا ہے؟''

عبدالشکور بیڑی لبوں سے ہٹائے مشکوک نظروں سے محمد دین کو دیکھ رہا تھا۔

''ابے مجھے کہاں.... اسی کو بتا رہا تھا' میں نے یوں ہی سن لیا۔''

''اللہ سب سے بڑا ہے.... اللہ سب سے بڑا ہے۔''

اذان اب دھیمی پڑ رہی تھی۔

''چھوڑ یار..... یہ نہیں رہا ہونے والا۔'' اس نے تنگ سے کہہ کر بیڑی پھینکی اور پھر سلگتے' بجھتے انگارے کو دیکھنے لگا۔

''اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔''

آواز دم توڑ گئی۔ فضا میں سکوت چھا گیا۔ پھر بلبل نے صدا لگائی' درختوں نے پتے جھکائے اور ساری مخلوق اپنی عبادت میں مشغول ہوگئی۔

قیدی سلام پھیر کر اٹھا۔ جائے نماز کا کونا موڑا' کف کلائی پہ موڑے اور چلتا ہوا سلاخوں تک آیا۔ اس کا چہرہ نیوب لائٹ کی روشنی میں واضح ہوا۔ اس کی آنکھیں سنہری تھیں۔ انہیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے اس نے انگلی سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

محمد دین میکانکی انداز میں قریب آیا۔ عبدالشکور اتنا متاثر نہ تھا۔ مگر اس نے بھی پیروی کی۔

''اپنے کان صاف کر کے دھیان سے سنو۔'' وہ تیز نگاہوں سے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بولا۔

''پہلی بات وہ میرا سگا نہیں' سوتیلا بھائی تھا۔ دوسری بات میرے بھانجے کا نام سعدی یوسف ہے اور آخری بات' اگر آئندہ تم مجھے میری ملاقات کے اوقات میں اپنے قریب بھٹکتے نظر آئے تو اگلے دن یہاں پہرہ وہیل چیر پہ دو گے۔ سمجھ میں آیا؟''

''تجھے تو میں ابھی.....'' عبدالشکور غصے سے آگے بڑھا۔ مگر محمد دین نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دھکیلتے ''چھوڑو جانے دو'' کہہ کر اسے روکا اور واپس لے گیا۔

''کیا..... ہاں؟ ابھی کیا؟'' سلاخیں تھامے فارس نے بھینچے جبڑے اور غصیلی آنکھوں سے پکارا۔ مگر محمد دین بمشکل سمجھا بجھا کر اسے دور کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

فارس نے سر جھٹکا اور واپس ہولیا۔ صبح کی سفیدی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

❖❖❖

میں زخم زخم ہوں پھر بھی دکھائی نہ دوں

ٹھیک اسی وقت اسلام آباد کے دوسرے حصوں پر بھی فجر ایسے ہی طلوع ہو رہی تھی۔ اس اپر مڈل کلاس کالونی میں ایک گھر کی کھڑکیاں نیلے اندھیرے میں روشن تھیں۔

چھوٹے سے لان کے سامنے لاؤنج کی کھڑکی نظر آتی' مگر گھر کی بغلی گلی سے اندر جاؤ تو پہلے کچن کا بند دروازہ آتا اور پھر ایک بیڈ روم کی کھڑکی جس سے چہرہ لگا کر دیکھو تو اندر لیمپ جل رہا تھا اور کارپٹ پہ ایک لڑکی نماز پڑھ کر سلام پھیر رہی تھی۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے جلتے لیمپ کے ساتھ موبائل' پانی اور چند دوائیاں رکھی تھیں۔ ایسی دوائیاں جو گردے کا وہ مریض استعمال کرتا ہے جس کو ڈونر گردہ (کسی دوسرے کا) لگا ہو۔

وہ نماز ختم کر کے' بنا دعا مانگے اٹھی' جائے نماز اسی میز کے خانے میں رکھ دی۔ دوپٹہ اتار کر بال آزاد کیے۔ پھر پلٹ کر اسٹڈی ٹیبل تک آئی تو اس کا چہرہ سامنے آیا۔

وہ صاف مگر قدرے زرد رنگت کی دراز قد' دبلی پتلی سی تھی۔ نقوش متناسب' آنکھیں بادامی رنگ کی' گہری بھوری پلکیں مڑی ہوئی اور ناک میں ہیرے کی ننھی سی لونگ' بالکل مونگ کے دانے جتنی۔ وہ بہت خوبصورت نہیں تھی۔ مگر اس کے بال خوبصورت تھے۔ گہرے بھورے' سر سے کان تک سیدھے اور پھر موٹے موٹے curls کی صورت گھنگھریالے ہو جاتے۔ وہ اسٹیپس میں تھے۔ سامنے سے ٹھوڑی تک' پھر کندھوں تک اور پیچھے کمر تک آتے۔

اس نے الماری کھول کر ایک فائل نکالی اور بے دھیانی میں ایک ڈبے کو لڑھکا دیا۔ جس سے اخبار کے چند تراشے پھسل کر باہر گرے مگر چونکہ اس نے دیکھا نہیں تھا۔ سو اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی اور فائل کھول لی۔

اخبار کے تراشے اس کے قدموں میں گرے رہے۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ وہ ٹھیک سے پڑھے نہ جاتے تھے۔ مگر پھر کھڑکی کے باہر صبح پھیلتی گئی اور روشنی اندر بھرتی گئی اور ان کی تحریر واضح ہو گئی۔

ان تراشوں کی سرخیاں کہہ رہی تھیں۔

''اسسٹنٹ ڈائریکٹر نیب وارث غازی پراسرار طور پہ کمرے میں مردہ پائے گئے۔ پولیس نے موت کو خودکشی' عزیز و اقارب نے قتل قرار دے دیا۔ کمرے سے لیپ ٹاپ اور اہم ڈاکومنٹس بھی غائب...''

اسلام آباد کے پوش علاقے میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ایک خاتون جاں بحق' ایک زخمی' جاں بحق خاتون کچھ روز قبل مبینہ طور پر خودکشی کرنے والے نیب ڈائریکٹر کے بھائی کی اہلیہ تھیں۔''

''زخمی خاتون کے دونوں گردے فائرنگ کے نتیجے میں ضائع ہو چکے ہیں' نیز ان کا تعلق...''

''نیب ڈائریکٹر کے قتل کا معمہ حل' پولیس نے سوتیلے بھائی فارس غازی کو گرفتار کر لیا۔ پولیس کے مطابق اپنی بیوی اور رشتہ دار خاتون پہ فائرنگ کے پیچھے بھی اسی کا ہاتھ...''

دو ہاتھوں نے تیزی سے وہ کاغذ سمیٹے اور ان کو ڈبے میں ڈالتے ہوئے الماری بند کی۔ پھر سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی۔

وہ تیار ہو چکی تھی اور اب گیلے گھنگھریالے بال برش کر رہی تھی۔ فجر بیتے کافی دیر ہو چکی تھی اور باہر ہر طرف سنہری روشنی تھی۔

اس کی کھڑکی کے باہر تیلی گلی میں واپس چلتے جاؤ تو اب کچن کا دروازہ کھلا تھا اور جالی سے باتیں کرنے کی آوازیں اور ناشتے کی خوشبو آ رہی تھی۔ ملازم لڑکا کھڑا چائے دم پہ رکھ رہا تھا۔ ساتھ ایک ہنگی کئی اس کے طبقے کی عورت کھڑی تھی۔

''وے صداقت! ماں کا سارا پیغام سمجھ میں آ گیا نا؟ اب میں تسلی سے گرائیں چلی جاؤں؟'' وہ جیسے کوئی لمبی چوڑی بات سمیٹ رہی تھی۔ لڑکے نے ''ہاں ناچاچی!'' کہتے تشفی کروائی۔ چاچی نے جیسے فراغت سے ادھر ادھر دیکھا۔

''یہ تو اپنی باجی کا ناشتہ بنا رہا ہے؟'' اس نے مالکن کی بابت استفسار کیا۔

''ہاں... اور صاحب کا بھی... باجی کے ابو... دو لوگ ہی تو ہیں گھر میں۔''

''نا تو تیری باجی کی شادی وادی نہیں ہوئی؟''

''صاحب نے بوو و وہت پہلے۔'' انڈا توڑتے ہوئے ''بہت'' کو بہت کھینچا۔

''باجی کی منگنی کی تھی' شادی بھی ہونے والی تھی' مگر پھر بازار میں فائرنگ ہوئی اور باجی کو بھی گولی لگ گئی۔ بس دونوں گردے ضائع ہو گئے۔ کسی انگریز عورت نے گردہ تو دے دیا اور لگ بھی گیا' پر منگنی ٹوٹ گئی۔ پھر باجی نے شادی نہیں کی۔''

چچ چچ... بیچاری... ستائیس اٹھائیس کی تو ہو گی؟''

''ارے... تینتیس چونتیس سے کم کی نہیں ہیں باجی' لگتی چھوٹی ہیں۔'' صداقت نے فخر سے کہتے ہوئے انڈا تیل پہ ڈالا۔ شڑشڑ کی آواز آئی اور تیل میں بلبلے بننے لگے۔

''تجھے کیسے پتا اس کی عمر؟'' چاچی نے مشکوک نظروں سے لڑکے کو دیکھا۔

''عمر کا نہیں' سالگرہ کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ ہر سالگرہ پہ سعدی بھائی کارڈ اور پھول جو لے آتا ہے۔''

''سعدی بھائی کون؟''

''لے... تجھے سعدی بھائی کا نہیں پتا؟'' صداقت نے انڈا پلٹتے ملامتی نظروں سے چاچی کو دیکھا۔ ''باجی کا بھتیجا ہے۔ بڑے صاحب کا پوتا۔''

''دیکھ... ایسے ہوتے ہیں بھتیجے اور تو گرائیں آتا ہے تو مجال نہیں کہ چاچے' چاچی کو شکل بھی دکھا دے۔'' ساتھ ہی لڑکے کی پشت پہ دھموکا جڑا۔ وہ بلبلا کر رہ گیا۔ ''اسی لئے تو باجی اپنے بھتیجے سے بڑا پیار کرتی ہوگی۔''

''کہاں؟'' برا منہ بنائے صداقت نے اسی انداز میں کہا۔ ''وہ تو سعدی بھائی سے بات بھی نہیں کرتی' ملتی بھی نہیں ہے' وہ تب ہی گھر آتا ہے جب وہ نہیں ہوتی۔ وہ اس سے ناراض ہے۔''

''آئے ہائے کیوں؟''

''پرانی ناراضی ہے' باجی کو جو گولی لگی تھی' وہ سعدی بھائی کے ماموں نے ماری تھی۔ بس تب سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔'' وہ سر جھکائے کام کرتے ہوئے تبصرہ کیے جا رہا تھا۔ چاچی نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

''تو اسی لیے باجی کے بھائی کا خاندان ان کے ساتھ نہیں رہتا۔''

''اوہ نہیں چاچی! وہ تو ہمیشہ سے الگ رہتے تھے۔ پھر خاندان میں اور ہے بھی کون؟ باجی کے ایک ہی بھائی تھے۔ سعدی کے ابو' عرصہ ہوا فوت ہو چکے۔ ان کی وفات سے بھی سالوں پہلے سے انہوں نے گھر الگ کر لیا تھا۔ ان کی بیوی کی اپنی ساس' مطلب باجی کی مرحومہ امی سے نہیں بنتی تھی' پھر بھی باجی بڑا خیال کیا کرتی تھیں اپنے بھتیجوں کا' سعدی بھائی لوگ تین بہن بھائی ہیں' یہ تو بس اب کچھ سالوں سے ان کی بول چال...''

''صداقت! اگر آپ ہمارے شجرہ نسب پہ روشنی ڈال چکے ہو تو ناشتہ ٹیبل پہ لگا دو گے؟''

صداقت کے ہاتھ سے چمٹا گرتے گرتے بچا۔ چچی' بھتیجا گھبرا کر پلٹے۔ وہ کوٹ بازو پہ ڈالے دوسرے ہاتھ میں پرس لیے چوکھٹ پر کھڑی تھی اور یہ فقرہ اس نے بنا کسی غصے یا طنز کے' بہت سادگی و نرمی سے ادا کیا تھا۔

''لایا باجی بس.....'' وہ جیسے کرنٹ کھا کر ایک دم تیز تیز کام کرنے لگا۔ چاچی نے بھی خفیف سا سلام کیا۔ وہ اسی نرمی مگر سنجیدگی سے جواب دے کر راہداری میں آگے چلتی گئی اور ہیل کی فرش سے ٹکراتی آواز گونجتی گئی۔

راہداری کے سامنے بڑا سا لونگ روم تھا۔ اس کا آدھا حصہ صوفوں سے آراستہ ٹی وی لاؤنج تھا۔ باقی نصف میں ڈائننگ ٹیبل بچھی تھی۔ سربراہی کرسی کی جگہ پہ ایک معمر صاحب وہیل چیر پہ بیٹھے عینک ناک پہ جمائے اخبار دیکھ رہے تھے۔

وہ دائیں ہاتھ کی پہلی کرسی پہ آ بیٹھی' چیزیں ایک طرف رکھیں' پلیٹ اٹھائی' کانٹا اس میں رکھا۔

''آج گھر کب آؤ گی؟''

''جلدی آنے کی کوشش کروں گی''

وہ بہت ٹھہرے ہوئے نرم انداز میں بولتی تھی اور اس کے فقرے ایک روانی میں لبوں سے ادا ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ بات ختم کر کے سانس لیا کرتی تھی۔ اس کے باوجود ہر لفظ واضح اور کلیئر ہوتا تھا۔

''زمر!'' انہوں نے پکارا۔ زمر نے جواب میں صرف ''ہوں'' کہا۔

''کل کی تاریخ یاد ہے؟' کیا تھا؟''

''کوئی کرکٹ میچ تھا؟'' زمر نے اسی اطمینان سے پوچھتے ہوئے نیپکن گود میں بچھایا۔

''سعدی کی سالگرہ تھی۔ وہ پچیس سال کا ہو گیا ہے۔''

اس کے ہاتھوں کی حرکت سست ہوئی' بھوری آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔ وہ ایک دم چہرہ موڑ کر صداقت کی طرف متوجہ ہوگئی جو لوازمات میز پہ رکھ رہا تھا اور زمر سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔ بڑے ابا بھی اخبار کو ہی دیکھ رہے تھے۔

صداقت اندر چلا گیا تو انہوں نے کہا۔ ''کیا تمہیں یہ یاد ہے کہ تم کیا' کیا بھولنے لگی ہو؟ چار سال سے اس کے گھر جانا بھول گئی ہو' ڈیڑھ سال سے اس کی شکل دیکھنا بھول چکی ہو۔''

زمر نے میز کے وسط میں رکھے گلدان کو دیکھتے ہوئے کپ لبوں سے لگایا' بولی کچھ نہیں۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''وہ تمہاری کوئی سالگرہ نہیں بھولتا۔''

''میں اسے کال کرلوں گی۔''

''کال کرنا' پروا کرنے کے مترادف نہیں ہوتا۔''

زمر نے سنجیدگی سے بڑے ابو کا چہرہ دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''وہ میرا بھتیجا ہے' میں اس کی پروا کیوں نہیں کروں گی؟''

''تو پھر اس سے ناراضی ختم کیوں نہیں کرتی ہو؟''

''میں اس سے ناراض نہیں ہوں' سعدی میرے لیے کیا ہے' آپ جانتے ہیں اور کوئی بھی چیز اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔''

''تو پھر اس سے ملتی کیوں نہیں ہو؟''

''ٹھیک ہے' آپ ہمارا ناشتہ spoil (خراب) کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔'' پیالی پرچ پہ رکھ کر وہ مکمل طور پہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ''وہ مجھ سے کیوں نہیں ملا جب میں بیمار تھی؟ ابا! میرے گردے ضائع ہوگئے تھے۔ ایک اجنبی عورت مجھے گردہ دے سکتی ہے' مگر میرا بھتیجا مجھ سے ملنے نہیں آ سکتا کیونکہ اس کی پڑھائی زیادہ ضروری تھی۔ ابا! وہ میرا بیٹا تھا۔ میرا بھائی تھا۔ میرا سب سے اچھا دوست تھا۔ مگر وہ میرے پاس نہیں تھا' جب مجھے اس کی ضرورت تھی۔ وہ انگلینڈ چلا گیا اور ہاں وہ وہاں سے مجھے کال کر لیتا تھا۔ مگر کال کرنا پروا کرنے کے مترادف تو نہیں ہوتا نا۔''

''تم اس کی یہ بات درگزر کر دیتیں۔ اگر اس نے یہ نہ کہا ہوتا کہ فارس بے گناہ ہے اور....''

زمر رک گئی۔ اس کے تاثرات بدلے' آنکھوں میں گہرا کرب' تکلیف' غصہ ابھرا۔

''فارس غازی کا نام میرے سامنے مت لیا کریں' اس شخص نے میرے ساتھ کیا کیا۔ آپ بھول گئے ہیں تو میں یاد کرا دیتی ہوں۔'' اس کا جیسے ناشتہ حرام ہو چکا تھا۔ لبوں کو نیپکن سے تھپتھپا کر بال کان کے پیچھے اڑسے اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''وہ.... آپ کی بہو کا بھائی.... اس نے چار سال پہلے میری زندگی برباد کر دی تھی۔ اس نے اپنی بیوی اور مجھے ایک جگہ بلا کر' ہم دونوں کو شوٹ کر دیا' تاکہ میں اصل ٹارگٹ سمجھی جاؤں۔ ان تین گولیوں نے جو مجھے کمر میں لگی تھیں کہ اس شخص نے میری پشت پہ ہی تو حملہ کیا تھا۔ میرے صرف گردے نہیں چھینے' ہر چیز چھینی اور سعدی.... اس نے تب بھی کہا تھا' اب بھی کہے گا کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے' گریٹ!''

دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے جیسے کسی نادیدہ ہستی کو شاباش دی۔ اس کا رنگ نچڑ چکا تھا اور وہ شدید ڈسٹرب نظر آ رہی تھی۔

''اس نے سعدی کے بڑے ماموں اور اپنی بیوی کو مارا۔ یہ ان کا اپنا معاملہ ہے' مگر اس نے مجھے بھی مارنا چاہا تھا اور یہ میرا معاملہ ہے۔ مگر ابا! اس کے باوجود میں فارس غازی کے کیس کو فالو نہیں کرتی' میں خود کو ڈیڑھ سال سے اس کیس سے الگ کر چکی ہوں' اپنا بیان بھی واپس لے چکی ہوں' کیونکہ جب اس واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے' مجھے نئے سرے سے تکلیف ہوتی ہے۔ پلیز مجھے کم از کم ناشتے کی میز پہ یہ تکلیف مت دیا کریں۔''

بہت دکھ سے کہتے ہوئے اپنی چیزیں سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑے ابا نے خاموش تاسف سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر اس کی آدھی چائے کی پیالی کو۔

ہر ''سعدی....'' سے شروع ہو کر ''فارس'' پہ ختم ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں چائے' ناشتے اور کھانے یوں ہی ادھورے رہ جاتے تھے۔

.....❖❖❖.....

پھر حشر کے ساماں ہوئے ہیں

فجر کو قضا ہوئے کئی ساعتیں بیت چکی تھیں اور سورج ابھی تک ٹھنڈا تھا۔ شہر کے مضافات میں ایک پوش علاقے میں زندگی اتنی صبح بھی یوں بیدار اور چاق و چوبند تھی جیسے کبھی سوئی نہ ہو۔

وہ ایک بلند اور عالیشان محل نما گھر تھا۔ باہر سیکورٹی چیک پوائنٹس' مسلح گارڈز' کرنٹ سے لبریز تاریں تھیں۔ اندر عمارت سبزہ زار کے درمیان میں کھڑی تھی اور آگے پیچھے' اونچی نیچی پہاڑیوں کی مانند لان کہیں نشیب میں جاتا' کہیں اوپر اٹھ جاتا۔

لان میں باوردی ملازم چوکسی سے کام نپٹا رہے تھے۔ کسی بڑے ایونٹ سے پہلے ہونے والی پلاننگ۔

ایک سنہرے باب کٹ والی لڑکی جو دودھیا رنگت اور دلکش نقوش کی مالک تھی' ہاتھ سے مختلف جگہوں پہ اشارہ کرتی' ایونٹ آرگنائزر کو ہدایات دے رہی تھی۔ جسے آرگنائزر مستعدی سے سر ہلاتا ڈائری پہ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

دور سے ایک فلپینو ملازمہ جو خوش شکل اور با اعتماد تھی اور سفید بلاؤز' اسکرٹ اور ٹائٹس میں ملبوس تھی' چلتی ہوئی آئی اور اس لڑکی کے سامنے مسکرا کر' سر کو خم دے کر پوچھا۔

''کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے مس شہرین؟''

شہرین آرگنائزر کو بتا رہی تھی کہ اسے پھول کیسے اور کدھر چاہئیں' اس نے رک کر بیزار نظر اس پہ ڈالی۔

''صرف اتنا فیونا کہ تم ہر دو منٹ بعد آ کر مجھ سے یہ سوال مت پوچھو۔'' اور ناک سکوڑ کر مڑ گئی۔

فیونا کی مسکراہٹ پھر بھی برقرار رہی۔ سر کو خم دے کر وہ وہاں سے چلی آئی۔ یقیناً وہ عملے کی سپروائزر تھی' تبھی بہت تمکنت سے تھوڑی دور ایجنسی کی طرف سے آئی فاضل میڈز کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

''سب ٹھیک جا رہا ہے؟'' اس نے تحکم سے جائزہ لیا۔

''پرفیکٹ.... ویسے ابھی پارٹی میں ایک ہفتہ ہے۔ ہم کچھ جلدی تیاری نہیں کر رہے؟''

''اونہوں.... یہاں ہر کوئی وقت سے پہلے کام کرنے کا عادی ہے اور یہ ہاشم کاردار کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ کوئی عام بات نہیں۔'' فیونا نے قدرے فخر سے جتایا۔ ملازمہ نے مڑ کر بے اختیار شہرین کی سمت دیکھا۔

''یہ ہاشم کاردار کی بیوی ہے نا؟ ان ہی کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔''

''ہاں مگر ان کی علیحدگی ہو چکی ہے' یہ یہاں نہیں رہتیں' پارٹی کے لیے آئی ہیں۔''

''اور ادھر کون رہتا ہے؟'' ملازمہ کو دلچسپی ہوئی تو اس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں لان ڈھلوان میں جا کر ختم ہوتا تھا' پوچھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی عام سی عمارت تھی جیسے انیکسی ہو۔

''وہ.... وہ تو فارس غازی کا پورشن ہے۔'' فیونا نے برا سا منہ بنایا۔

''وہ کون ہے؟''

''ہاشم صاحب کی پھپھو کا بیٹا ہے' مگر وہ گھر مقفل ہوتا ہے۔ کیونکہ فارس جیل میں ہے۔'' پھر دھیمی آواز کی۔''اس نے اپنے سوتیلے بھائی' مطلب اپنے باپ کی پہلی بیوی کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا اور اپنی بیوی کو بھی۔''

''اوہ!'' ملازمہ کی آنکھیں حیرت و تجسس سے پھیلیں۔''تو اس کے مقتول بھائی کا خاندان یہاں نہیں رہتا؟''

''بتایا تو ہے' وہ اس کے باپ کا بیٹا تھا۔ ہاشم صاحب اس کی ماں کی طرف سے کزن ہوئے' تو ان سوتیلے رشتہ داروں کا یہاں سے کیا تعلق؟'' گوسپ کا لطف ختم ہوا تو وہ منہ بنا کر اندر مڑ گئی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اس کی کروفر بھری چال میں عاجزی آ گئی۔ اس نے لونگ روم پار کیا' جس میں سیڑھیاں اوپر جاتی دکھائی دیتیں اور گھر کی چار منزلیں ختم ہونے کے بعد چھت آتی۔ یوں لونگ روم بہت عالی شان تاثر ڈالتا۔ پھر وہ ڈائننگ روم میں آئی اور سربراہی کرسی ادب سے کھینچی۔ یہاں سے لونگ روم نظر آتا تھا اور اسے اپنی مالکن بھی آتی نظر آ رہی تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی باریک ہیل سے تیز تیز چلتی آ رہی تھی۔ ٹائٹس پہ انگریزی طرز کا بغیر آستین کے گھٹنوں سے اوپر آتا لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکے بھورے ڈائی بال سیدھے اور کمر پہ تھے اور شیرنی جیسی آنکھیں تھیں' چہرہ خوبصورت و ملائم۔ وہ یقیناً کافی عمر کی تھی' مگر بے حد اسمارٹ اور تر و تازہ۔

''گڈ مارننگ مسز جواہرات!''

''مارننگ.....!''

مسکرا کر جواب دیتی وہ سربراہی کرسی پہ ملکہ کی شان سے بیٹھی۔ نیپکن گود میں بچھایا اور باادب کھڑی فیونا کو شیریں لہجے میں مخاطب کیا۔

''میرے بیٹے کدھر ہیں؟''

''ہاشم تیار ہو رہے ہیں اور نوشیرواں ابھی نہیں اٹھے۔''

جواہرات نے جواب دیے بنا پلیٹ اپنے قریب کی۔

''میم... آپ کی فلر ٹریٹمنٹ کی اپائنٹمنٹ آج شام کی ہے۔ آپ نے ریمائنڈ کروانے کو کہا تھا۔''

''اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسی باتیں آواز مدھم رکھ کر کیا کرو۔'' اسی شیریں مسکراہٹ سے اس نے فیونا کو دیکھ کر کہا''اور اپنا میک اپ کم کرو' مجھے اسٹاف کی بے ربطگی بالکل پسند نہیں۔''

''سوری میم!'' فیونا کی مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی۔ اس نے جلدی سے رومال سے لپ اسٹک رگڑی' جواہرات اب ناشتہ پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

سیڑھیوں کے اوپر پہلے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر اے سی کی خنکی اور مردانہ پرفیوم کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ کوٹ قریب ہی ٹنگا تھا۔ بال ماتھے پہ پیچھے کو سیٹ کیے' وجیہہ نقوش' شاندار شخصیت اور پرکشش سیاہ آنکھیں' بالکل جواہرات کے جیسی۔

دفعتاً ٹائی درمیان میں چھوڑ کر اس نے وقت دیکھا اور موبائیل اٹھا کر چند بٹن دبائے' پھر ایک کال ملائی۔

''باجوہ صاحب! ابھی آپ کو ایک ای میل بھیجی ہے۔ اس کو دیکھنے کے بعد آپ مجھ سے یقیناً بات کرنا چاہیں گے۔'' اگلے کی بات سنے بغیر مسکرا کر فون بند کیا اور رکھ دیا۔ ٹائی کی ناٹ باندھ چکا تو فون بجا اور پھر بجتا گیا۔ چھ سات کالز آئیں۔ مگر اس نے نہیں اٹھایا۔ ذرا خاموشی ہوئی تو اس نے ایک اور نمبر ملایا۔

''خاور.....کام ہوگیا ہے۔اس لڑکی جو بھی نام ہے اس کا.....اس کو غائب ہونے کو کہہ دو.....اب وہ باجوہ سے نہیں ملے گی اور دوپہر تک میری سیکرٹری اس کی پے منٹ کلیئر کردے گی۔'' کال کاٹی ہی تھی کہ پھر سے باجوہ صاحب کی کال آنے لگی۔اس نے مسکرا کر لیس کیا اور آئینے میں دیکھتے ہوئے خود پہ پرفیوم چھڑکتے ہوئے بولا۔

''کیسا لگا میرا تحفہ؟ اگر تم نہیں چاہتے کہ میں اس پہ تمہاری بیٹیوں کی رائے لوں تو آج بورڈ کے اجلاس میں تم میری قرارداد کے حق میں ووٹ دو گے۔ورنہ میں کتنا بے رحم ہوں' تم جانتے ہو۔'' دوسرے کا غصہ' احتجاج' درخواست کچھ بھی سنے بغیر اس نے فون رکھ دیا۔خود پہ دو تین اسپرے مزید کیے۔کف لنکس لگائے' کوٹ پہنا اور باہر نکلا۔راہداری میں موجود باوردی ملازم نے فوراً اندر جا کر اس کا بریف کیس اٹھا لیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو جواہرات جوس گھونٹ گھونٹ پیتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اس نے قریب آ کر اس کا ماتھا چوما' پھر دائیں ہاتھ کی کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔

''میرا خیال تھا مسز کارداراب تک آفس جا چکی ہوں گی۔'' ساتھ ہی ہاشم نے ابرو سے فیونا کو جانے کا اشارہ کیا۔وہ فوراً غائب ہو گئی۔

''تمہاری ایکس وائف صبح سویرے آ گئی تو میں کیسے جاتی؟''

''شیری کیوں آئی ہے؟'' ہاشم نے توس پہ اسپریڈ لگاتے ہوئے غیر دلچسپی سے پوچھا۔جواہرات نے نزاکت سے شانے اچکائے۔

''سونیا کی سالگرہ ہم نے اسے اس کے گھر نہیں کرنے دی' تو وہ ہفتہ پہلے سے تیاری شروع کر کے انتقام لے رہی ہے۔''

''سونیا کو ساتھ لائی ہے؟''

جواہرات نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اینی ویز باجوہ کا ووٹ میرے پاس ہے۔یوں آج عبدالصمد کو ہم ووٹ آؤٹ کر دیں گے۔''

جواہرات کھلے دل سے مسکرائی۔

''یہ تم نے کیسے کیا؟''

ہاشم مسکراتے ہوئے شانے اچکا کر بولا۔''ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔''

''سوائے اس گھر کے اسٹاف کے۔مطلب کوئی کام کا بندہ ہے یہاں؟ کبھی کوئی میری کار مار دیتا ہے۔کبھی میرا سوٹ برباد ہو جاتا ہے' حد ہوگئی۔''

آواز پہ دونوں نے اس طرف دیکھا۔ٹراؤزر اور شرٹ میں نوشیرواں بستر سے اٹھ کر آیا تھا اور بہت بگڑے موڈ میں آیا تھا۔

''اور اب کیا ہوا ہے؟'' ہاشم نے چھری کانٹے سے ٹکڑا توڑتے ہوئے مسکرا کر اس کو دیکھا۔

''میرا سوٹ برباد کر دیا اس جاہل ریاض نے۔آپ اس کی پے سلپ اس کے حوالے کر دیں ممی.....میں نے اسے فارغ کر دیا ہے۔'' سیب اٹھا کر اس میں دانت گاڑتے ہوئے وہ خفا خفا سا بولا۔وہ چوبیس پچیس سال کا خوش شکل نوجوان تھا۔ہاشم جتنا نہیں مگر اچھا تھا۔فرنچ کٹ اور بالوں کی الجھی بکھری اسپائکس.....آنکھوں میں بیزاری اور لاپروائی.....جواہرات نے ناپسندیدگی سے اس کی بات سنی۔

''تم کب بڑے ہو گے؟ جب ہاشم تمہاری عمر کا تھا تو وہ اتنا چھوٹا ہرگز نہیں تھا۔''

ہاشم نے ماں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے ٹوکا۔''میں سمجھا دوں گا نا۔'' اور پھر نوشیرواں کی طرف متوجہ ہوا۔''آج تمہیں آفس

میں نظر آنا چاہیے۔''

''آؤں گا بھائی! مگر اپنے وقت پہ۔'' اس نے اب مسکرا کر بے نیازی سے کہا۔ ہاشم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ اسے نوشیرواں پہ بہت کم غصہ آتا تھا۔

''صبح ہو چکی ہے شیرو! اب تم بالکل نہیں سوؤ گے اور تیار ہو کر آفس آؤ گے۔''

''او کے!'' وہ لاپروائی سے کہہ کر سیب کھانے لگا۔ ہاشم کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے جوس کا گھونٹ بھرا اور موبائل کان سے لگایا۔

''ہاشم کاردار؟'' نسوانی آواز نے استفسار کیا۔

''آگے بولو۔'' اس کا لہجہ بے لچک اور سپاٹ ہو گیا۔

''میں کامران حیات کے آفس سے بات کر رہی ہوں۔ پلیز لائن پہ رہیے گا' کامران صاحب بات کریں گے۔''

''اپنے باس کو بولو کہ میں سیکریٹریز سے بات نہیں کرتا۔ اسے مجھ سے کام ہو تو مجھے خود کال کیا کرے۔'' بے نیازی سے کہہ کر اس نے موبائل بند کر دیا۔

جواہرات اور نوشیرواں نے اپنی خفگی بھلا کر مسکراتی' مگر فخریہ نگاہوں کا تبادلہ کیا۔ ہاشم کا موبائل پھر سے بار بار بجنے لگا تو شیرو کو کہنا پڑا۔

''اٹھا لیں بھائی! بے چارے کی کال۔''

''شام کو اٹھاؤں گا۔ اسے پورا دن خوار ہونے دو۔ کام ہو تو ہاشم کاردار یاد آ جاتا ہے۔'' وہ ناشتہ ختم کر کے اب اٹھ رہا تھا۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کورٹ جا رہے ہو؟''

''پہلے آفس پھر کورٹ..... جنرل نوید کے بیٹے والا مسئلہ' وقت پہ نہ گیا تو زمر سیٹل منٹ سے انکار ہی نہ کر دے۔ اس مغرور عورت کا کوئی بھروسہ نہیں۔''

''زمر کو میرا اسلام کہہ دینا۔'' جواہرات نے دلچسپی سے کہا۔

''شیور.....'' ہاتھ صاف کر کے اس نے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ وہ پھر سے بجا۔ ہاشم نے ''ہاں خاور بولو'' کہہ کر عجلت میں کال ریسیو کی تھی۔ مگر دوسری طرف جو کہا جا رہا تھا' اسے سن کر وہ بالکل رک گیا۔ آنکھیں سکیڑ لیں اور آہستہ آہستہ واپس بیٹھ گیا۔

''ہوں..... اچھا..... خیر..... پچھلے دو مہینے میں وہ کس کس سے ملا ہے' اپنے وکیل کے علاوہ' مجھے ایک ایک ملاقات کی تفصیل دو۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔'' سرد لہجے میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو وہ دونوں اسی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ اس نے صرف ایک لفظ کہا۔ ''فارس!''

جواہرات کے ہاتھ سے سیب کی قاش پھسلی۔ آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''فارس..... کا کیا ذکر؟''

''اس کا کیس..... آج اس کا فیصلہ متوقع ہے۔'' وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

جواہرات سانس لینا بھول گئی۔

''اور تمہیں اب پتا چل رہا ہے؟''

ہاشم کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔

''میں اراضی کے مقدمات میں پھنسا تھا۔اس طرف دھیان نہیں گیا۔ مجھے عجیب لگ رہا ہے کہ اس کا فیصلہ اچانک سے آنے والا ہے۔''

ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ جواہرات کی مسکراہٹ اب غائب تھی۔ وہ بالکل یک ٹک ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈونٹ وری! وہ رہا نہیں ہوگا۔'' ہاشم کو کہنا پڑا۔

''اسے رہا ہونا بھی نہیں چاہیے اور تم اس بات کو یقینی بناؤ گے ہاشم!'' وہ بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔

''میں سنبھال لوں گا ممی!''

''ہمارے اس کزن کے رہا ہونے کا مطلب ہے کہ عدالت کے نزدیک وہ قاتل نہیں ہے۔ یقیناً اگلا سوال یہ ہوگا کہ پھر قاتل کون ہے؟'' نوشیرواں نے سیب کھاتے ہوئے کہا۔ دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کا ہلتا منہ رک گیا۔

''یوں ہی کہہ رہا تھا۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''یہ بات میں دوبارہ تمہارے منہ سے نہ سنوں شیرو!'' جواہرات نے بمشکل غصہ ضبط کیا' پھر ہاشم کو دیکھا۔ جیسے خود بھی وہی سوال پوچھ رہی ہو۔ اس کی شیرنی جیسی آنکھوں میں تپش تھی۔

ہاشم نے ذرا سے کندھے اچکائے۔ ''فیصلہ اس کے خلاف ہی آئے گا' ڈونٹ وری۔ وہ باہر نہیں آئے گا۔ اور آ بھی جائے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' تب ہی اس کا فون پھر بجا۔ اس نے فوراً کال وصول کی۔

''ہاں خاور.....ہوں.....اچھا.....'' سنجیدہ' سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ سنتا رہا' پھر فون رکھ دیا۔

''سعدی! سعدی یوسف!'' اس نے ہولے سے کہا۔ ''سعدی ہے اصل مسئلہ۔''

نوشیرواں کا چہرہ یوں ہو گیا جیسے اس نے زہریلا سیب نگل لیا ہو۔

.....❖❖❖.....

مت چھیڑو ہم اہل جنوں کو

زمر نے جب گاڑی سگنل سے تیزی سے گزاری تو بتی زرد تھی اور اس کے نکلتے ہی وہ سرخ ہو گئی۔ اس نے بے اختیار سائیڈ مرر میں دیکھا۔ ٹریفک سارجنٹ اس کو اشارہ کر رہا تھا۔ گہری سانس لے کر سر جھٹکتے اس نے کار سائیڈ پہ کی۔ انجن بند نہیں کیا۔ بٹن دبایا' شیشہ نیچے گرتا گیا۔ اس نے سن گلاسز اوپر کر کے گھنگھریالے بالوں پہ لگائے اور اسٹیئرنگ پہ دونوں ہاتھ رکھ کر منتظر سی نظر آنے لگی۔

''بی بی.....آپ نے سگنل توڑا ہے۔'' وہ کھڑکی تک آیا اور کھردرے لہجے میں بولا۔

''سگنل میرے گزرنے کے بعد ریڈ ہوا تھا۔'' اس نے گردن ذرا اٹھا کر بے نیازی سے جواب دیا۔

''نہیں جی.....آپ نے لال بتی کراس کی ہے' چالان بنتا ہے۔'' وہ بک کے صفحے پلٹتے معمول کے مطابق کہہ رہا تھا۔

''آپ اسے سنبھال کر رکھیں۔ کیونکہ ہم دونوں کو پتا ہے کہ میں نے سگنل نہیں توڑا۔''

''بتی زرد تھی۔''

''تو آپ کو معلوم ہوگا کہ زرد کے بعد بتی لال ہوتی ہے۔ آپ کو نہیں گزرنا چاہیے تھا۔'' وہ قلم کھول رہا تھا۔

''پھر آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ آپ کے سگنل کا ٹائمر خراب پڑا ہے۔'' اس نے سگنل کی جانب اشارہ کیا۔ ''تو مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کتنے سیکنڈ بعد بتی سرخ ہونی ہے۔''

''بی بی! آپ بحث کیوں کر رہی ہیں؟ چالان دیں اور جائیں۔'' وہ اکتا کر بولا۔

زمر نے اثبات میں گردن ہلائی' چابی گھمائی اور کار بند کردی۔ پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں تو چالان نہیں دوں گی' کیونکہ میری غلطی نہیں ہے۔ اور آفیسر آپ مجھ سے اونچی آواز میں کافی بدتمیزی سے بات کر رہے ہیں۔ اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں کار ادھر سائیڈ پہ لگاؤں گی' پھر ڈسٹرکٹ بار فون کروں گی۔ آدھے گھنٹے میں یہاں بار کے نمائندے اور دو مخالف میڈیا چینلز کے کیمرے ہوں گے۔ اور میں اسی جگہ پریس کانفرنس کر کے ان کو بتاؤں گی کس طرح نااہل ٹریفک پولیس اپنے ٹائر ٹھیک کروانے کی بجائے خواتین کو روک کر ان سے بدتمیزی کر رہی ہے۔ اور جب سارا میڈیا آئی جی ٹریفک کو لائن پہ لے کر ان کی کارکردگی پہ سوال اٹھائے گا تو وہ یقیناً سب سے پہلے اس آفیسر کا نام جاننا چاہیں گے جس نے ایک خاتون کو غلط روک کر نہ صرف اسے ساعت پہ وقت پہ پہنچنے سے بھی روکا' کیونکہ میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹرز مریوسف ہوں اور اگر میں پانچ منٹ بھی لیٹ ہوئی اور اس سے کیس پہ ذرا سا بھی اثر پڑا تو میں اس امر کو یقینی بناؤں گی کہ آپ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال عدالت کے دھکے کھاتے ہوئے گزاریں گے۔ میں جن لوگوں سے روزانہ ڈیل کرتی ہوں وہ قاتل' چور اور rapists ہوتے ہیں۔ اس لیے میری کار سے ہاتھ ہٹائیں۔ جا کر اپنی ڈیوٹی کریں اور مجھے میری ڈیوٹی کرنے دیں۔''

اس نے گلاسز واپس آنکھوں پہ لگائے۔ چابی گھمائی' ایکسیلیٹر پہ دباؤ بڑھایا۔ آفیسر بے اختیار پیچھے ہٹا اور وہ زن سے کار آگے لے گئی۔

''اللہ ان عورتوں کو زبان نہ دے' یا پھر وکیل نہ بنائے۔'' وہ غصے اور بے بسی سے بڑبڑاتے ہوئے اپنی جگہ پہ واپس جا رہا تھا۔

❖❖❖

## اس شہر دل نواز کے آداب دیکھنا

''سعدی؟ فارس کا بھانجا؟'' جواہرات نے اچنبھے سے ابرو اٹھائیں۔ نوشیرواں نے بیزاری سے سیب رکھ دیا۔ اس کا کھانا حرام ہو چکا تھا۔

''وہ ہر ہفتے فارس سے ملنے آتا ہے۔'' ہاشم گہری سوچ میں ڈوبا آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

''اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔''

''مگر.....وہ مجھے بھی اپنے آس پاس نظر آیا ہے۔ ایک دو دفعہ' بالکل رینڈم جگہوں پہ۔ جہاں اس کا کوئی کام نہیں تھا۔ یہ لڑکا کچھ گڑبڑ ہے۔'' ہاشم پہلے سے زیادہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

''ہاشم.....مجھے اس سارے مسئلے کا حل بتاؤ۔'' وہ مضطرب اور بے چین سی بولی۔

''ممی! بھائی سنبھال لے گا نا۔''

ہاشم نے سنا ہی نہیں۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے فیونا کو آواز دی اور اسے دو دعوت نامے لانے کو کہا۔

''بہت عرصہ ہوا' میں اس سے نہیں ملا۔ شاید ڈیڑھ سال ہو گیا ہے۔ اب اسے میری پارٹی میں آنا چاہیے۔'' وہ جیسے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے کر بولا تھا۔

''اوہ پلیز.....اگر وہ آئے گا تو میں پارٹی میں نہیں ہوں گا۔ میں اسے اپنے گھر میں نہیں برداشت کر سکتا۔'' نوشیرواں کا موڈ بگڑ چکا تھا۔

''یونیورسٹی کے پانچ سال میں نے اسے برداشت کیا ہے۔ اب اور نہیں۔'' پھر یکایک اس کے تاثرات بدلے۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ جواہرات نے لاؤنج کی سمت دیکھا۔ شہرین ادھر ہی آ رہی تھی۔ نوشیرواں کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا۔ جواہرات نے مسکرا کر گہری سرد نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''آپ کب آئیں؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' نوشیرواں کو اپنے رف حلیے پہ جیسے شرمندگی ہوئی تھی۔

''بدقسمتی سے شہری میری بیٹی کی ماں ہے اور اس کی سالگرہ کی تیاری کے لیے یہ یقیناً ارلی مارننگ ہی آئی ہوگی۔'' ہاشم مسکرا کر کہتے ہوئے اٹھا اور مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ بیزاری سے نظر انداز کر کے جواب دیے بنا جواہرات کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں نے سیٹنگ ارینجمنٹ فائنل کر دی ہے۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔'' پھر نوشیرواں کو دیکھ کر تکلفاً مسکرائی۔ ہاشم تب تک باہر نکل چکا تھا۔

''لسٹ میں دو نام اور بھی ایڈ کرنے ہیں۔ سعدی یوسف اور زمر یوسف۔'' جواہرات نے اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ نشاندہی کی۔ شہرین ذرا چونکی۔

''سعدی؟ وہ.... فارس کا بھانجا؟''

''آپ اسے جانتی ہیں؟'' نوشیرواں کو برا لگا۔ وہ ابھی تک کھڑا تھا۔

''ہوں۔ کچھ زیادہ نہیں۔'' وہ سنبھل کر بے نیاز نظر آنے لگی۔ پھر جب جانے کے لیے پلٹی تو جواہرات نے آواز دی۔

''کیا تم شام میں آؤ گی؟''

''نہیں....'' وہ باہر جا چکی تھی۔ جواہرات نے مسکرا کر نوشیرواں کو دیکھا اور نزاکت سے ایر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

''وہ ایک دن میں بھی دوسری دفعہ اس گھر میں آنا پسند نہیں کرتی۔''

نوشیرواں چونکا' پھر خفیف سا سر جھٹکا اور کھڑا ہو گیا۔

''یہ سعدی لوگوں کا ریسٹورنٹ وہیں ہے نا؟'' بات بدلنے کو اس نے پوچھا یا پھر وہ واقعی اسی نہج پہ سوچ رہا تھا۔ جواہرات نے شانے اچکا کر گلاس لبوں سے لگا لیا۔

.....❖❖❖.....

## ہوا کی زد پہ بھی دو اک چراغ روشن ہیں

صبح ابھی تازہ تھی اور سفیدی سنہرے پن میں نہیں بدلی تھی۔ کاردارز کے گھر گو کہ ناشتہ ختم ہو چکا تھا' فجر کی آئی شہرین واپس' نوشیرواں دوبارہ سونے اور ہاشم کورٹ کے لیے نکل چکا تھا۔ مگر اکثر گھروں میں ناشتے' اسکول' کالج کی تیاری ابھی چل رہی تھی۔ اس سیکٹر کے درمیانے درجے کے گھروں میں ایک وہ چھوٹے باغیچے والا گھر بھی تھا جس کی بیرونی تختی پہ ذوالفقار یوسف (مرحوم) لکھا تھا۔ گھر کے اندر جاؤ تو کمروں سے کمرے نکلتے تھے۔ دو منزلہ گھر چھوٹا سا تھا۔ اسی لیے کچن میں پکتے ناشتے کی مہک اور دھواں سارے میں پھیلا تھا۔ ایک فربہی مائل خاتون پراٹھا توے پہ پلٹتے ہوئے غصے سے زور زور سے آوازیں بھی دیے جا رہی تھیں۔

''اسامہ.... حنین.... اٹھ جاؤ.... وین آنے والی ہے۔''

''کیا امی.... میں کب کا تیار بھی ہو چکا ہوں۔'' ایک تیرہ برس کے لڑکے نے ناراضی سے کہتے کچن میں جھانکا۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھا اور برش سے گیلے بال سنوار رہا تھا۔ اس کے بال گہرے بھورے اور گھنگھریالے تھے۔ اپنی زمر پھپھو کی طرح۔

ندرت نے عجلت میں مڑ کے اسے دیکھا۔ ''اچھا شاباش.... اور حنین کدھر ہے؟''

''کٹو بیگم ابھی تک سو رہی ہے۔''

''کتنی دفعہ کہا ہے سیم کہ بڑی بہن کو ان ناموں سے مت پکارا کرو۔''

''گن کر بتاؤں کتنی دفعہ امی؟''

اس سے پہلے کہ وہ جوتا اتارتیں' وہ بھاگ چکا تھا۔

ایک کمرے میں آ کر وہ رکا۔ وہاں دو پلنگ مخالف دیواروں سے لگے تھے۔ ایک کی سائیڈ پہ اسامہ کا بیگ رکھا تھا۔ دوسرے پہ لحاف

منہ تک لیے وہ سو رہی تھی۔

''حنین.....حنی ی ی ی ن.....'' اس کے نام کو لمبا کھینچ کر پکارا۔ ''کٹو بیگم اٹھ جاؤ۔'' پھر غصے سے اس کا لحاف میں دبکا باز و ہلایا۔ اندر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ اسامہ کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں میں شرارت چمکی.....وہ پائنتی کی طرف آیا۔ وہاں ایک نسوانی پیر لحاف سے باہر تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے پیر کے نیچے گدگدی کی۔

پیر تیزی سے اندر کھینچا گیا۔ ساتھ ہی لحاف اتار کر وہ دھاڑی۔

''بدتمیز.....الو.....میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔''

جھک کر بیڈ کے آس پاس جوتا تلاش کیا' مگر وہ بھاگ کر چوکھٹ کے باہر چھپ گیا تھا۔ پھر کچھوے کی طرح گردن اندر کر کے بولا۔

''وین آنے والی ہے۔ آج میں تمہیں چھٹی نہیں کرنے دوں گا کٹو بیگم۔'' جوتا اڑتا ہوا اس تک آیا مگر اسامہ اڑن چھو ہو چکا تھا۔

''میں چھٹی کر بھی نہیں رہی' پیپر ہے میرا۔ مگر مجال ہے جو یہ دس منٹ زیادہ سونے دے۔'' وہ منہ بسورتی' پیر فرش پہ مارتی اٹھی۔ ''کیا یار.....روز صبح صبح اٹھنا پڑتا ہے۔'' پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ لپک کر راہداری میں آئی اور زور سے چلائی۔

''موٹے آلو اب آنا تم میرے پاس کاپی پہ کور چڑھوانے یا نوڈلز بنوانے۔''

غصہ نکال کر اندر آئی۔ گھڑی دیکھی۔ ''اوہ نو.....'' وہ بھاگ بھاگ کر تیار ہونے لگی۔ الماری کھولی تو کپڑوں کا ڈھیر باہر کو گرا۔ بمشکل اس ڈھیر کو ہاتھ سے روک کر اندر سے ایک سوٹ کھینچا۔ ڈھیر کو واپس دھکیلا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

باہر آئی تو جلدی جلدی جوتے پالش کیے' کپڑے کوئی خاص استری نہ تھے۔ ساتھ ساتھ امی کی صلواتیں۔

''کتنی دفعہ کہا ہے کہ رات کو کام کر کے رکھا کرو۔ جس دن میں نہ کروں' تم دونوں کوئی کام نہیں کرو گے۔'' وہ راہداری کے سرے پہ گول میز پہ ناشتہ رکھتے افراتفری میں ڈانٹ بھی رہی تھیں۔ ''ایک میرا سعدی ہے۔ کبھی مجھے تنگ نہیں کیا۔ بغیر کہے ہر کام کرتا ہے۔''

وہ جوز مین پہ بیٹھی جوتے پالش کر رہی تھی' ایک دم رکی۔ ''امی.....بھائی کہاں ہے؟''

''ریسٹورنٹ پہ ہے۔ آج کل آفس سے چھٹی لے رکھی ہے۔ مگر فجر کے بعد آفس کا کام لے کر ریسٹورنٹ چلا جاتا ہے۔ کالونی کی مسجد میں فجر بھی آج اسی نے پڑھائی تھی۔ امام صاحب بیمار ہیں نا اور ایک تم دونوں ہو' جس دن جوتے نہیں کھاؤ گے' نماز کے لیے نہیں اٹھو گے۔''

''اللہ.....بھائی بھی نا' چھٹی لے کر بھی کام کرنا نہیں چھوڑے گا۔'' وہ جوتے پہن کر اٹھی۔ یہ بات کہتے ہوئے انداز میں فخر در آیا تھا۔

تب ہی وین کا ہارن سنائی دینے لگا۔

''جاؤ موٹے' جا کر بیٹھو۔ انکل کو تسلی ہو۔'' اسامہ نے فوراً ہدایت پہ عمل کیا اور ''اچھا کٹو بیگم'' کہتا باہر بھاگا۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ برش لیے جلدی سے ماں کے قدموں میں آ بیٹھی اور گردن اونچی کی۔ وہ تیز تیز اس کی فرنچ چوٹی بنانے لگیں۔

''امی دعا کیجیے گا۔ بس آج کا پیپر اچھا ہو جائے۔ پھر تین رہ جائیں گے' جان چھٹے گی۔'' وہ سر اونچا کیے کہہ رہی تھی۔ وہ بیس اکیس سال کی دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ رنگت گندمی تھی اور نقوش معمولی۔ خوبصورت تو بالکل نہیں تھی' مگر اچھی لگتی تھی۔ درمیانی سی' بال سیاہ اور سیدھے تھے۔ کندھوں سے ذرا نیچے آتے اور ماتھے پہ برابر کٹے تھے۔ امی نے فرنچ چوٹی بناتے ہوئے ماتھے والے چھوڑ دیے تھے اور پچھلوں کو گوندھ کر ربر بینڈ لگا دیا۔

بیگ اٹھا کر' دوپٹا کندھے پر برابر کر کے' باہر نکلتے نکلتے حنین نے ایک دم مڑ کر ندرت کو پکارا۔

''امی.... بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ آج فارس ماموں رہا ہو کر گھر آ جائیں گے۔ امی! کیا وہ واقعی آ جائیں گے؟'' اس کی آواز میں امید بھی تھی اور آس ٹوٹنے کا خوف بھی۔

''تمہارے بھائی نے کب اپنا وعدہ پورا نہیں کیا؟'' ندرت نم آنکھوں سے مسکرائیں تو وہ بھی مسکرا دی۔ وین کا ہارن پھر بجا تو وہ بوکھلا کر باہر بھاگی۔

اسامہ اگلی سیٹ پہ انکل کے ساتھ بیٹھا تھا اور پچھلی نشستوں پہ لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ حنین کے بیٹھتے ہی وین چل پڑی۔ اس کی کلاس فیلو رافعہ نے ذرا منہ بنا کر کہا۔ ''حنین! جلدی آیا کرو۔''

اسامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''رافعہ باجی.... جب آپ لوگ تھرٹی ون اسٹریٹ میں رہتے تھے اور آپ کو ہم سے بعد میں انکل پک کرتے تھے تو ہم بھی آپ کا اسی طرح انتظار کرتے تھے۔''

رافعہ ہونٹ سکیڑ کر خاموش رہی۔ حنین نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور اپنا بیگ آگے اسامہ کی طرف بڑھایا جسے اس نے اپنے قدموں میں رکھ لیا۔ رافعہ اور سجل نے بھی اپنے اپنے بیگ اسی نیت سے اٹھائے کہ ذرا زیادہ آرام سے بیٹھ سکیں۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے بیگ آگے پاس کرتیں' حنین نے بازو بڑھا کر اسامہ کی گردن کی نبض محسوس کی۔ پھر لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے ایکسائیٹڈ سی بولی۔

''ابھی سانس لے رہا ہے۔ ایسا کرو تم سب اپنے بیگز دے دو' تاکہ بچے کا سانس صحیح سے تو بند ہو۔''

بیگز آگے بڑھاتے ہاتھ فوراً رکے اور منہ بنا کر واپس ہو گئے۔ حنین کے چہرے کے تاثرات بدلے اور وہ تنبیہی نظروں سے ان سب کو دیکھ کر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ اسامہ نے گردن ذرا موڑ کر مسکراہٹ چھپاتے اسے دیکھا اور ایک آنکھ دبائی۔ حنین نے بھی بے ساختہ امڈ کر آتی مسکراہٹ روک لی۔

گھر کی مرغی اور باہر کی دال میں واضح فرق تھا۔

.....❖❖❖.....

اسلام آباد پہ صبح کا دودھیا پن زرد ہو کر خستہ پڑ گیا اور سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو سارے درخت پسینے میں نہا گئے۔ مگر لندن میں ابھی صبح تازہ تھی۔ ٹھنڈی سی چھایا میں گھرے ہلٹن ہوٹل کے اندر لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔

ایک کارنر میں ایک فربہی مائل' سوٹڈ بوٹڈ صاحب کے ساتھ ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان کھڑا تھا۔ وہ صاحب جیسے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً نوجوان نے گھڑی دیکھتے ہوئے ان کو مخاطب کیا۔

''کانفرنس شروع ہونے میں خاصا وقت ہے۔ ڈاکٹر عطا! کیوں نہ ہم اندر چل کر بیٹھیں؟''

''بس تھوڑی دیر اور خضر۔''

''آپ کی واپسی کب ہے اسلام آباد کی؟''

''کانفرنس اٹینڈ کر کے نکل جاؤں گا شام کو۔ تم لوگ کب تک ہو؟'' مگر پھر خضر کا جواب سنے بغیر ہی وہ جیسے دور کسی کو دیکھ کر شناسا سا مسکرائے تو خضر نے اس جانب دیکھا۔

''آپ ڈاکٹر سارہ کا انتظار کر رہے تھے؟''

آؤ.... تمہیں ملواتا ہوں۔'' وہ اسے لیے انٹرنس تک چلے آئے۔ جہاں سے وہ چلتی آ رہی تھی۔ وہ گوری گلابی' نیلی سبز آنکھوں والی تھی۔ عمر تیس سے پینتیس کے درمیان' مگر کافی دبلی پتلی۔ خوبصورت نہیں تھی' پیاری تھی۔ مسکراتی تو آنکھوں کے گرد لکیریں پڑتیں۔ بال فرنچ

ناٹ میں باندھ رکھے تھے۔ مجموعی طور پر اس کے چہرے پہ ایک سادہ اور پرخلوص سا تاثر تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر شناسائی سے سر کو خم دیتی قریب آئی۔ ہاتھ میں فائل' فولڈر' بیگ' بہت کچھ اٹھا رکھا تھا۔

''سوری ڈاکٹر عطا.... مجھے دیر تو نہیں ہوگئی؟ بیٹیوں کو اسلام آباد چھوڑ کر آئی ہوں۔ آپ کو پتا ہے نا ان سے تفصیلی بات نہ کرلوں تو مجھے تسلی نہیں ہوتی۔'' بہت سادہ اور معذرت بھرے انداز میں بولی۔

''بالکل ایسا ہی ہے۔ اچھا ان سے ملو۔ یہ خضر ہیں۔ پلاننگ کمیشن میں شاید تم نے کبھی ان کو دیکھا ہو۔ اور خضر! یہ ڈاکٹر سارہ غازی ہیں۔ کیمیکل انجینئر ہیں۔ تھرکول پاور پروجیکٹ کی پروجیکٹ ڈائریکٹر۔ پراسس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی پاکستانی اور آج کی انٹرنیشنل انرجی ایجنسی کے اس سیمینار میں ہمارے ملک کی نمائندگی کریں گی۔ مختصراً یہ ایک راکٹ سائنٹسٹ ہیں۔'' بات ختم کر کے انہوں نے فخر سے اس عہدیدار کے تاثرات دیکھے۔

''سر مجھے میڈم کے کریڈینشلز سننا اچھا لگ رہا تھا' ورنہ ہماری بہت اچھی ملاقات ہے۔ میڈم کا پلاننگ کمیشن میں روز کا آنا جانا ہے۔'' خضر نے تب بتایا جب وہ سب کہہ چکے۔ سارہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔ ڈاکٹر عطا بے حد محظوظ نظر آنے لگے۔

''میں بڑوں کو نہیں ٹوکتی ورنہ مجھے اپنے کریڈینشلز سننا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔'' پھر خضر کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''اور سنائیں خضر! پلاننگ کمیشن والے ٹھیک ہیں؟''

''سنائیں گی تو آپ میم.... آپ لوگوں نے انٹرنیشنل کورٹ میں آئی ایم ایف کے خلاف کیس جیتا ہے۔ جتنی مبارک دوں' کم ہے۔''

''جی خضر صاحب.... اس کا تو گورنر صاحب کو کریڈٹ جاتا ہے جنہوں نے اپنے خرچ پہ کیس لڑا تھا۔'' وہ ابرو اٹھا کر سادگی اور خوشی سے کہہ رہی تھی۔

''کوئی شک نہیں۔'' ڈاکٹر عطا نے تائید کی۔ پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ پوچھنے لگے۔ ''ڈاکٹر سارہ.... کل ہی کسی نے مجھ سے پوچھا تو سوچا آپ سے معلوم کرلوں گا۔ آپ کے ہزبینڈ کے مرڈر کیس کا کیا بنا؟''

سارہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ آنکھوں میں سائے لہرائے۔ اس نے خفیف سا سر جھٹکا۔ پلاننگ کمیشن کے عہدیدار نے سوالیہ ڈاکٹر عطا کو دیکھا۔

''سارہ کے ہزبینڈ.... وارث غازی نیب آفیسر تھے۔ تین چار سال پہلے ان کا مرڈر ہوا تھا۔ ان کے بھائی نے ہی کیا تھا۔ سارہ! کیا اسے سزا ہوئی؟'' وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اوہ.... بہت افسوس ہوا۔'' خضر کو جیسے شرمندگی ہوئی۔

''میں نہیں جانتی کہ ان کے بھائی نے قتل کیا بھی تھا یا نہیں' ڈاکٹر عطا! سب کہتے تھے' کیا تھا تو شاید کیا ہو۔ مگر میں اس کیس کو فالو نہیں کرتی۔ انتقام' قصاص' بدلہ' ان سب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ میرا کل اثاثہ میری بیٹیاں ہیں۔ اور وہ ابھی بہت چھوٹی ہیں۔ سو میں کسی ایسے معاملے میں نہیں انوالو ہونا چاہتی جو ان کی سیفٹی کو خطرے میں ڈالے۔'' بھری محفل میں کسی کے دکھ کا ذکر چھیڑ دینا' بری نیت سے ہو یا اچھی نیت سے' دل ہمیشہ ایک طرح سے ہی دکھاتا ہے۔ وہ بھی افسردہ ہوگئی تھی۔

''میم.... آپ سے کچھ ڈاکومنٹس مانگے تھے میں نے۔ آپ نے کہا تھا میل کروا دیں گی' مگر مجھے ملے نہیں ابھی تک۔'' خضر نے جیسے بات بدلی۔ وہ ابھی تک لابی میں کھڑے تھے اور ماحول خاصا سوگوار ہوگیا تھا۔ لمحے بھر میں وہ تینوں اردگرد سے کٹ گئے تھے۔ سارہ زبردستی مسکرائی۔ ''آئی ایم سوری خضر! میرا سینئر انجینئر چھٹی پہ ہے کچھ دنوں کی۔ میں شام میں اسلام آباد واپس جا رہی ہوں۔ جاتے ہی اس کو

یاد کرواؤں گی۔ وہ آپ کو میل کر دے گا۔''

''اوہ ہاں.... میں پوچھنے لگا تھا۔ آپ کا سینئر انجینئر آپ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے ہمیشہ' آج نظر نہیں آ رہا۔''

''وہ کسی ذاتی کام میں مصروف ہے۔'' کہتے ہوئے اس کی زبردستی کی مسکراہٹ قدرتی مسکان میں بدلنے لگی۔

خضر نے ماتھے کو چھوا۔

''میں اس کا نام ہمیشہ بھول جاتا ہوں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ میں اس کی میل مس کر دوں۔''

''سعدی.... سعدی یوسف!'' سارہ نے یاد دلایا۔ پھر چہرے پہ دوبارہ بشاشت لاتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔ ''اندر چلتے ہیں۔ آج ہمارے پاس توانائی کی دنیا کو دکھانے اور بتانے کے لیے بہت کچھ ہے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھی تو دونوں اس کے ساتھ ہو لیے۔ البتہ ڈاکٹر عطا ابھی تک یہ موضوع چھیڑنے پہ پشیمانی محسوس کر رہے تھے۔ اور خضر یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بالکل.... سعدی یوسف.... بہت ہی competent لڑکا ہے۔ میں ایک دفعہ ملا تھا۔'' وہ دور ہوتے گئے اور لابی کی گہما گہمی میں ان کی آوازیں مدھم پڑتی گئیں۔

.....❖❖❖.....

## گرفتہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا

اسلام آباد میں دوپہر تیز شعاعوں کے ساتھ گویا برس رہی تھی۔ ایسے میں سنہری روشنی میں نہائے چھوٹے باغیچے والے گھر سے آگے مین روڈ پہ نکلیں تو مرکز شروع ہو جاتا' جہاں ایک قطار میں دکانیں تھیں اور قطار کے کونے پہ آخری دکان میں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ تھا۔ اوپر بڑے سے بورڈ پہ جلی حروف میں لکھا تھا۔ ''Foodily Everafter''

یقیناً یہ پریوں کی کہانیوں کے اختتامی happily everafter کی اشتہا انگیز نئی شکل تھی۔

ریسٹورنٹ کے برآمدے میں بچھی کرسیاں خالی تھیں۔ قریب ہی پھولوں کا اسٹال لگائے کم عمر پٹھان بچہ موجود تھا۔ ریسٹورنٹ کی سڑک کے سامنے کی دیوار شیشے کی تھی۔ جس سے اندر جھانکو تو سب سونا پڑا تھا۔ ابھی لنچ ٹائم نہیں ہوا تھا۔ سو سوائے ویٹرز کے جو کام نپٹاتے پھر رہے تھے' وہاں کوئی گاہک موجود نہ تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ سوائے شیشے کی دیوار سے لگی میز کے۔ اس پہ لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ایک کھلی فائل اور دو موبائلز.... ساتھ کافی کا مگ جس سے وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ جبکہ اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ اسکرین پہ جمی تھیں۔ وہ کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ جینز پہ بٹنوں والی شرٹ جس کی آستینیں پیچھے موڑ رکھی تھیں۔ اسکرین پہ جمی آنکھیں گہری بھوری اور پرکشش تھیں۔ رنگت بہت صاف اور نقوش کافی ہینڈسم.... بال پیچھے کی طرف برش کر رکھے تھے۔ سامنے سے دیکھو تو سیدھے لگتے۔ پیچھے سے دیکھو تو گھنگھریالے تھے۔ بالکل زمرجیسے۔ اس کی مجموعی شخصیت ذہن پہ ایک صاف ستھرا' خوشگوار سا تاثر چھوڑتی تھی۔

لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ گاہے بگاہے ایک نظر ان فونز پر بھی ڈال لیتا۔ قریب سے گزرتا ویٹر بھی ان ہی فونز کو دیکھ رہا تھا۔

''سعدی بھائی؟'' ویٹر نے رک کر اسے مخاطب کیا۔

''ہوں؟'' وہ مصروف سا پڑھتا رہا۔

''اس موبائل کا مالک ابھی تک نہیں آیا؟''

''اس کے ابو کو اطلاع تو کر دی ہے' آ جائے گا۔'' وہ پڑھتے پڑھتے نچلا لب دبائے بولا۔ اس کی آواز بھاری اور صاف تھی۔ اردو کا لہجہ کسی بھی علاقائی زبان کے اثر میں نہیں تھا۔

''بڑا کوئی لاپروا لڑکا تھا۔ اتنا قیمتی موبائل میز پہ چھوڑ گیا۔ آپ نہ دیکھتے تو کوئی چرا کر لے جا چکا ہوتا۔''

سعدی کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ گردن ہلائے بغیر صرف نگاہیں اٹھا کر ویٹر کو دیکھا۔

''کسٹمر تو اس کے بعد آئے ہی نہیں۔ میں نہ ہوتا تب بھی تم دونوں پھر تو رہے ہو۔ پھر کون چرا کر لے جاتا؟''

ویٹر جھینپ گیا۔ ''مطلب.... گم سکتا تھا.... گر سکتا تھا۔ شکر آپ نے دیکھ لیا۔ میڈم کی طرح آپ بھی بہت دیانت دار ہیں بھائی۔''

''تھوڑا سا مکھن کریم سوپ کے لیے بچا رکھو جنید!'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نرم سی تنبیہہ کرتا وہ اب کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جنید گڑبڑا کر وہاں سے اٹھ گیا۔

دفعتاً اس نے موبائل اٹھایا اور کال ملائی۔ یہ اس کا اپنا موبائل تھا۔

''سعدی یوسف بات کر رہا ہوں' تھرکول سے۔ جی.... جی....'' اس نے رک کر سنا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

''جی میں نے وہ رپورٹ دیکھ لی ہے۔ مگر جو چیز میں نے آپ سے مانگی تھی' وہ مکمل نہیں ہے۔ میں آپ کو اپنی ڈیمانڈ لکھ کر میل کر رہا ہوں۔ اگلے ہفتے ہمیں فیلڈ پہ جانا ہے' تب تک....'' وہ دھیمے مگر قطعی لہجے میں بات کرتا رہا تھا۔ اتنے میں باہر سے پھولوں والا پٹھان لڑکا آ کر اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''ہاں.... گل خان.... کیسے ہو؟'' فون بند کر کے اس نے پھر سے ٹائپ کرتے ہوئے اس کو مخاطب کیا۔

''یار سعدی بھائی! تمہارے شہر کا لوگ بڑا خراب ہے۔'' بڑے ہی بگڑے موڈ میں کہتے ہوئے ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور ناک سے مکھی اڑائی۔

''اچھا.... اب کیا کر دیا ہے میرے شہر کے لوگوں نے؟''

''وہ جو سڑک کے دوسری طرف بیٹھا ہے نا۔'' اشارے پہ سعدی نے اس طرف دیکھا۔ جہاں دور پھولوں کا ایک اور اسٹال لگا تھا۔ جس کو گل خان سے ذرا بڑا بچہ چلا رہا تھا۔

''وہ خانہ خراب کا بچہ ہمارا پھول چرانے کے پیچھے ہوتا ہے۔''

''اچھا۔ تم اسی لیے یہاں آ کر بیٹھ گئے ہوتا کہ اسے چرانے میں مشکل نہ ہو۔'' سعدی نے سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

''یار سعدی بھائی! مذاق نہ کیا کرو ہمارے ساتھ۔ وہ ہماری نظر کے نشانے پہ ہے۔'' پھر آگے ہو کر بولا۔ ''بھائی.... تمہارا نام سعد ہے نا؟ مطلب پیار سے سعدی کہتے ہیں؟''

''نہیں.... مجھے غصے سے بھی سب سعدی ہی کہتے ہیں۔ سعد نہیں ہے یہ۔ سعدی ہی ہے۔ شیخ سعدی سے۔'' وہ بچے کو دیکھے بغیر کام کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تمہارا ابو کیسا ہے؟ صبح نماز پہ نہیں تھا۔''

''بس اب بابا ہماری طرح تھوڑی ہے کہ پہلی اذان پہ اٹھ جائے۔'' اس نے گردن اکڑا کر کہا۔

''ہاں اور پھر مسجد میں آ کر سجدے میں سو جائے۔ دیکھ رہا تھا میں تمہیں آج....''

گل خان برا سا منہ بنا کر سیدھا ہوا۔ ''یار! تمہارا ایک آنکھ پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ کبھی تو معاف کر دیا کرو۔ تم اتنا لمبا سورت پڑھتا ہے' ہمیں نیند آ جاتا ہے۔'' پھر کچھ یاد آنے پہ تاثرات بدلے۔ دلچسپی سے مزید آگے کو ہوا۔ ''بھائی! تم نے اتنا اچھا قرآن پڑھنا کدھر سے سیکھا؟''

''میرے اسکول کے ایک قاری....'' وہ بتاتے بتاتے رکا۔ جیسے کچھ یاد آیا۔ سر اٹھا کر جنید کو پکارا۔ ''اسکول کا آرڈر تیار ہو گیا؟'' ساتھ ہی وال کلاک دیکھا۔

''کون سا آرڈر بھائی؟'' جنید' سفیان دونوں بھاگے آئے۔

سعدی نے اچنبھے سے دونوں کو دیکھا۔ ''کیا مطلب.... فہیم نے نہیں بتایا؟ کل میں ادھر تھا جب فون آیا تھا۔ پکنک کا آرڈر تھا۔ فہیم کو بتا کر گیا تھا میں۔'' وہ کہتے ہی کھڑا ہوا تھا' جیسے الارم سا بج رہا ہو کہیں۔

''فہیم تو بیمار تھا۔ آج آیا ہی نہیں ہے۔ اس نے تو کوئی ذکر نہیں کیا بھائی۔''

''یا اللہ.... دو گھنٹے تک ڈلیوری کرنی ہے اور یہاں کام بھی نہیں شروع ہوا۔'' وہ اٹھتے ہوئے چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس کا ارادہ بھانپ کر دونوں بوکھلا گئے۔

''بھائی! آپ رہنے دیں۔ ہم کرلیں گے۔''

''ان کی کال میں نے اٹھائی تھی۔ آرڈر میں نے نوٹ کیا تھا۔ جب انہوں نے نام پوچھا تو میں نے سعدی یوسف بتایا تھا۔ میں نے ان کو زبان دی ہے کہ آج سہ پہر تک آرڈر تیار ہوگا تو اب وہ میرے بھروسے آئیں گے۔ سو آرڈر بھی مجھے ہی پورا کرنا ہے۔'' قطعیت سے کہتا وہ لیپ ٹاپ بند کر کے میز کے پیچھے سے نکلا۔ گل خان نے اس کا کپ اٹھا کر کافی چکھی۔ سعدی کے خود کو دیکھنے پہ مسکرایا۔

''ہم پہ تو پرائے گھر کا پانی بھی حرام ہے۔ مگر تم تو اپنا بھائی ہے۔'' دو گھونٹ اور بھرے۔ سعدی اس کا کندھا تھپک کر ریسیپشن تک آیا۔ ایک دم گل خان ''اوہ خانہ خراب'' کہتا کپ چھوڑ کر بھاگا۔ ان تینوں نے مڑ کر دیکھا۔

سڑک پہ مقابل والا لڑکا پھول اٹھائے بھاگ رہا تھا۔ گل خان اس کے پیچھے لپک رہا تھا۔ ایک سفید گاڑی قریب آتی دکھائی دے رہی تھی۔

سعدی واپس رجسٹر کی طرف متوجہ ہوا' مگر ذہن میں جیسے کچھ اٹکا۔ سفید گاڑی؟ اس نے تیزی سے گردن موڑی۔

وہ سفید رولز رائس تھی اور اس کے مالک کو تو وہ لاکھوں میں پہچانتا تھا۔

''نوشیرواں کاردار!'' وہ بے اختیار گلاس ڈور کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''تو ٹھہر تو سہی....'' دونوں لڑکے آگے پیچھے بھاگتے سڑک پہ آئے۔ رولز رائس نے ایک دم بریک لگائے۔ ٹائر چرچرائے۔ دوسرا تو بھاگ گیا تھا' گل خان دبک کر سر پہ ہاتھ رکھے سڑک پہ بیٹھ گیا۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر سرخ چہرہ لیے نوشیرواں تیزی سے باہر نکلا۔

''اندھے.... ایڈیٹ.... تمہارے باپ کی سڑک ہے؟ چلنے کی تمیز نہیں ہے۔ ابھی میری گاڑی کہیں لگ جاتی تو کیسے نقصان پورا کرتے؟ اپنے ماں باپ کو بیچ کر؟'' اس کا جیسے بس نہیں چل رہا تھا۔ لڑکے کو دو تھپڑ لگا دے۔ ڈریس پینٹ' شرٹ' اوپر بنا آستین کے ویسٹ میں ملبوس' وہ آفس کی تیاری میں لگ رہا تھا۔

سعدی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم قدم چلتا باہر آیا اور ریسٹورنٹ کا سبزہ عبور کر کے سڑک کے کنارے آ رکا۔

''اور اگر تمہاری گاڑی سے اس بچے کو چوٹ لگ جاتی تو تم کس کو بیچ کر نقصان پورا کرتے؟''

نوشیرواں جو بگڑے تیوروں کے ساتھ گاڑی کی طرف پلٹ رہا تھا' بے اختیار پلٹا۔ سعدی کو دیکھ کر غصہ جیسے کم ہوا' مگر آنکھوں میں تپش اور کینہ بڑھ گیا۔ گل خان لپک کر سعدی کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''اچھا.... میں سمجھ گیا۔'' نوشیرواں نے طیش کو دبا کر طنزیہ مسکرانے کی کوشش کی۔ ''یہ شاید تمہارا مین بزنس ہے۔ ان آوارہ لڑکوں کو چوٹیں لگواؤ اور پھر گاڑیوں کے مالکان سے رقم وصول کرو۔ گڈ گڈ۔ کیا یہ کرنے سے ریسٹورنٹ کا کرایہ پورا ہو جاتا ہے؟''

سعدی آنکھیں سکیڑے ٹھنڈے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''میرا اصل بزنس تم اچھی طرح جانتے ہو۔اگر تمہارا موڈ خراب نہ ہوتو میں دہرادوں کہ میں کس پروجیکٹ پہ کام کررہا ہوں؟''

نوشیرواں کے چہرے پہ پھر سے سرخی بڑھنے لگی۔لب بھینچ کر بمشکل ضبط کیا۔

''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے سعدی کہ میں تمہارے آفس کی روداد سن سکوں۔میرے پاس میری ایک کمپنی ہے جہاں جانے کے لیے میں اس تمہارے اسٹنٹ کی وجہ سے لیٹ ہورہا ہوں۔'' اس نے حقارت سے بچے کی طرف اشارہ کیا جو سعدی کے بازو کی اوٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا۔تم آفس جارہے ہو۔ویری گڈ....لیکن میرا جغرافیہ اگر درست ہے تو میرا ریسٹورنٹ تمہارے گھر سے آفس کے راستے میں نہیں پڑتا۔سو میری چھٹی حس مجھے یہ بتاتی ہے کہ یقیناً تمہارے اردگرد آج کسی حوالے سے میرا ذکر ہوا ہوگا اور تم حسب معمول غصے میں بے قابو ہوکر مجھے چیک کرنے آئے ہو۔سو....اب تم دیکھ ہی چکے ہو کہ میں وہی سعدی ہوں۔''

کندھے ذرا سے اُچکا کر سعدی نے بہت آرام سے کہا۔ویٹرز' جنید' سفیان' گل خان کا باپ اور ایک راہگیر اب جمع ہوئے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ضبط کی شدت سے نوشیرواں کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

''میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کون ہو''

''میں بھی جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔میں ایک یتیمی میں بڑا ہونے والا مڈل کلاس لڑکا ہوں۔میری ماں یہ چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہے اور میرا گھر اس سے بھی چھوٹا ہے۔میں انگلینڈ پڑھنے بھی اسکالرشپ پہ گیا تھا اور میں نے زندگی میں وہ دن بھی دیکھے ہیں جب پیسے نہ ہونے کے باعث ہمیں چٹنی سے روٹی کھانی پڑتی تھی۔آج میں ایک کیمیکل انجینئر ہوں۔ایک سائنسدان۔اور آج بھی میری تنخواہ بہت زیادہ نہیں ہے۔اپنے خاندان' اپنے گھر' اپنی مالی حیثیت' مجھے کسی چیز کے بارے میں سچ سچ بتانے سے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔میں سعدی یوسف خان ہوں اور یہاں سب مجھے جانتے ہیں۔کیا اب تم بھرے مجمع میں اپنا تعارف کرواسکتے ہو؟''

نوشیرواں کا غصہ ٹھنڈا اور آنکھوں کی تپش مزید بھڑک چکی تھی۔وہ خاموش رہا تو سعدی نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''اگر نہیں....تو بہتر ہے کہ تم اپنی قیمتی کار کو ٹھیک سے ڈرائیو کرنا سیکھ لو....کیونکہ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب تم غلط ڈرائیو کررہے ہو۔اور اگر تمہارا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے تو پھر گاڑی آگے پیچھے کرلو تاکہ ہمارے کسٹمرز کو تکلیف نہ ہو۔'' اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ واپس پلٹ گیا۔چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اندر آیا تو باہر نوشیرواں گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کررہا تھا۔

گل خان بھی اس کے ساتھ اندر آیا تھا اور اب خاصی مضبوطی سے کھڑا تھا۔

''ناتو سعدی بھائی....کتنے کی ہوگی اس کی ڈبا گاڑی جس پہ اتنا اکڑ رہا تھا؟''

سعدی نے ہلکا سا مسکرا کر اسے دیکھا۔''زیادہ نہیں....بس چار....ساڑھے چار کروڑ روپے کی۔''

گل خان کا منہ مارے شاک کے کھل گیا۔سعدی آستینیں فولڈ کرتا کاؤنٹر تک آیا۔مگر اس کا فون بج اٹھا۔نمبر دیکھ کر اس نے تیزی سے کال لی۔ایڈووکیٹ خلجی کالنگ۔

''جی خلجی بھائی....کیا بنا؟ سماعت ہوگئی؟'' پوچھتے ہوئے اس کے چہرے پہ لمحے بھر کو ڈر اور امید کا ملا جلا تاثر ابھرا۔پھر جواب سن کر وہ تاثر مسکراہٹ میں ڈھلتا گیا۔

''رئیلی....! آپ کو یقین ہے نا ماموں بری ہوجائیں گے؟ اوکے میں دعا کررہا ہوں!'' فون رکھ کر اس نے فوراً باہر دیکھا۔نوشیرواں کی کار جاچکی تھی۔اس کی دھول تک وہاں نہیں تھی۔

سعدی نے پرعزم مسکراہٹ کے ساتھ دور آسمان کو دیکھا۔

''یہ خبر سن کر آپ کی شکل کیسی ہوگی' میں دیکھنا چاہتا ہوں ہاشم بھائی...!'' اور پھر عملے کی طرف مڑ گیا۔
''کم آن بوائز.... ہمارے پاس ابھی دو گھنٹے ہیں۔''

❖❖❖

کمرہ عدالت میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ گرمی اپنے جوبن پہ تھی۔ اونچی کھڑکیوں سے گرم ہوا کے تھپیڑے اندر آ رہے تھے۔ ایسے میں استغاثہ اور دفاع کے بنچز پہ تناؤ زدہ سی خاموشی تھی۔ جج صاحب کاغذ سے پڑھ کر اپنا طویل فیصلہ سنا رہے تھے' اور سب متوجہ ہو کر سن رہے تھے۔
ایسے میں صرف دفاع کی کرسیوں پہ بیٹھا وہ سفید کرتے اور کسی ہوئی پونی والا مرد تھا جو ہر ایک سے لاپرواہ اور بے نیاز کبھی ایکسرسائیز کے انداز میں گردن کو دائیں اور بائیں کندھے کی طرف جھکاتا۔ کبھی انگلیاں چٹخاتا۔ کبھی کان کی لو مسلنے لگتا۔ کبھی ہلکی ہلکی سی شیو سے بال نوچتا۔ غرض وہ بور ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ منہ میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔ اس کے اپنے وکیل خلجی صاحب بھی وقفے وقفے سے اس کو دیکھتے تھے۔ ان کو اپنی طرف نگاہیں پھیرتے دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکراتا اور پھر چہرہ کسی اور طرف موڑ کر بالکل سپاٹ سے تاثرات بنا لیتا۔ خلجی صاحب سر جھٹک کر رہ جاتے۔ فارس غازی ان کو اسی طرح کبھی کبھی عاجز کر دیتا تھا۔
''عدالت نے سرکار بنام فارس غازی میں تمام گواہوں' پولیس اور مقتول کے اہلِ خانہ' سب کے بیانات اور دیگر شواہد کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے فارنزک رپورٹ اور پوسٹ مارٹم رپورٹ' اور پولیس کی تفتیش کو بھی بہت توجہ سے دیکھا ہے۔''
جج صاحب کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ ایسے میں فارس خلجی صاحب کی طرف جھکا اور سرگوشی کی۔
''یہ کتنی دیر تک اور بولے گا؟''
خلجی صاحب نے ایک برہم نگاہ اس پہ ڈالی۔ ''غازی' تھوڑا صبر کرو۔ یہ تمہاری زندگی کا اہم ترین دن ہے۔ چار سال سے تم قید میں پڑے ہو۔ آج تم یا تو رہا ہو جاؤ گے یا پھانسی چڑھو گے۔ اس لیے فی الوقت دعا کرو۔''
''اچھا!'' اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔ ''لیکن یہ ابھی کتنی دیر اور بولے گا؟''
خلجی صاحب نے گہری سانس لی۔ ''جتنی دیر بھی بولے گا' تمہیں اس کو سننا ہوگا۔'' فارس گہری سانس لے کر پیچھے ہو گیا۔
''گواہوں کے اپنے ہی بیانات سے پھر جانے اور بہت سے گواہان کے پیش نہ ہونے کے باعث عدالت کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا ہے۔'' جج صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ عینک ناک پہ دھرے چہرہ جھکائے نکات پڑھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔ ''ناکافی گواہیوں اور عدم ثبوت کے باعث فارس غازی پہ لگے الزامات میں شک پیدا ہو گیا ہے۔ استغاثہ کے ثبوت گو کہ اپنی جگہ ٹھوس ہیں لیکن وہ کسی بھی صورت reasonable doubt سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس لیے عدالت ہمیشہ کی طرح شک کا فائدہ ملزم فارس طہیر غازی کو ہی دینے جا رہی ہے۔''

فارس اب منہ میں مسلسل کچھ چباتا کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سنہری آنکھیں روشنی کی کرنوں کے باعث جلتے بجھتے دیوں جیسی لگ رہی تھیں۔
''اس ضمن میں فارس غازی ولد طہیر غازی' اپنی بیوی زرتاشہ غازی اور سوتیلے بھائی وارث غازی کے قتل کے کیس میں مجرم ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے معزز عدالت فارس غازی کے اوپر لگے تمام چارجز مسترد کر کے پولیس کو ان کی باعزت رہائی کا حکم جاری کرتی ہے۔ نیز اس کیس سے اور ان الزامات سے ہمیشہ کے لیے ملزم کو بری کرتی ہے۔''
خلجی صاحب اور ان کے ساتھی وکلاء بے اختیار کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ استغاثہ کے بنچ پہ ایک بے زاری سی تھی۔ وہ حیران بھی تھے اور بددل بھی۔ خاموشی مجروح ہوئی تھی۔ جج صاحب فیصلہ سنا کر اٹھ کے جا رہے تھے۔ آوازیں بلند ہو

رہی تھیں۔ ایسے میں خلجی صاحب نے ایک دم اسے ڈھونڈنا چاہا تو دیکھا' وہ چپ چاپ کمرہ عدالت سے باہر جا رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لپکے۔ ان کا چہرہ فرطِ جذبات سے تمتما رہا تھا۔

راہداری میں انہوں نے اسے جالیا۔ وہ سپاہیوں کی معیت میں جا رہا تھا مگر اس کو ہتھکڑی نہیں لگائی گئی تھی۔

''غازی۔ مبارک ہو۔'' وہ اس سے گلے ملے۔ پھر الگ ہوئے۔ ''سعدی نے بہت محنت کی تمہارے کیس کے لیے۔ تمہیں بہت مبارک ہو کہ تم رہا ہو گئے ہو۔ ڈبل جیوپرڈی کے قانون کے تحت اب کبھی بھی ان دو قتلوں کا مقدمہ تمہارے اوپر نہیں چلایا جائے گا۔''

''افسوس۔'' فارس نے ہولے سے سر جھٹکا۔ اس کے چہرے پہ سادگی سی تھی۔ ''صبح دو پولیس والوں سے جھگڑا ہوا میرا۔ ابھی ان کو سبق سکھانا تھا۔ لیکن اب رہا ہو گیا ہوں۔ یہ نہیں ہو سکے گا۔ کچھ دن مل جاتے تو ان کی طبیعت اچھے سے صاف کرتا۔''

خلجی صاحب نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں جیل نے کیا بنا دیا ہے فارس غازی۔ سوائے لڑائی جھگڑے کے تم ہر چیز بھولتے جا رہے ہو۔ تمہاری زبان بھی سی کلاس قیدیوں والی ہو گئی ہے۔''

''لے! اسی ہلاک میں ہی تو تھا۔'' اس نے شانے اچکائے۔ خلجی صاحب نے بہت سے سخت الفاظ اندر روکے۔

''لیکن اب تم رہا ہو گئے ہو۔ اب تم نے اپنی زندگی میں کوئی جلد بازی' اور بے وقوفی نہیں کرنی۔ اب یہ بدمعاشوں والے کام چھوڑ دو۔ شریف آدمی بن کر رہو۔ جیسے سوسائٹی میں رہا جاتا ہے۔ تمہارے خاندان نے بہت بھاگ دوڑ کی ہے تمہارے لیے۔ اب ان کو اپنی طرف سے پریشان نہ کرنا۔''

''اچھا۔'' وہ لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ چہرہ بے تاثر سا تھا۔

''اب یہاں سے نکل کر کوشش کرنا کہ اچھی جاب ڈھونڈو۔ اچھی سی لڑکی سے شادی کرو۔ اور ایک پرسکون زندگی گزارو۔ اپنے غصے کو کنٹرول کرنا سیکھو۔ باہر کی دنیا جیل جیسی نہیں ہے غازی۔ اس میں تم بات بات پہ لوگوں کی ہڈی پسلی نہیں توڑ سکتے۔ اب تمہیں اپنی زندگی کو سنجیدہ لینا ہوگا۔'' پھر رک کر اسے دیکھا۔ ''کچھ پوچھو گے نہیں اپنے کیس کے بارے میں؟'' فارس نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''فیس مل گئی آپ کو ابھی یا نہیں؟''

خلجی صاحب نے گویا برا مان کر اس کا چہرہ دیکھا جو بالکل سپاٹ تھا' جیسی کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے' انہوں نے یکا یک کچھ محسوس کیا۔ جیسے ایک لمحے کے لیے کچھ بدلا تھا۔ فارس کی نگاہوں کا رخ۔ وہ ان کے کندھے کے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں کی ساری کیفیت بدل گئی تھی۔ خلجی صاحب نے پلٹ کر دیکھا۔ راہداری میں بہت سے لوگ چلتے جا رہے تھے۔ ان میں وہ بھی تھی۔ گھنگھریالے بالوں والی پراسیکیوٹر جس کی ناک میں ہیرے کی ایک لونگ دمک رہی تھی۔ وہ دو عورتوں کے ہمراہ چلتی سیدھ میں دیکھتی آگے جا رہی تھی۔ فارس کے قریب سے گزری تو نگاہ اٹھی۔ اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ ایک ثانیے کو بھوری آنکھیں سنہری آنکھوں سے ملیں' پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ فارس غازی کا چہرہ اس ایک پل میں بالکل بدل گیا تھا۔ جیسے وہ کوئی اور انسان ہو۔ لیکن اگلے ہی پل وہ واپس ویسا ہی ہو گیا' اور سر جھٹک کر دوسری سمت میں ہو لیا۔

خلجی صاحب نے بہت دفعہ ان دونوں کو راہداریوں اور برآمدوں میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے دیکھا تھا۔ ہر دفعہ یہ ایک لمحہ ضرور آتا تھا۔

اس کی رہائی کی خبر ہاشم کو جب ملی تو وہ کوریڈور میں کھڑا کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔ اس نے کمال ضبط سے اپنے کڑوے ہوتے تاثرات چھپا لیے۔ وہ ابھی اتنا مصروف تھا کہ ایک دم ری ایکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ اس نے خود سے عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے حساب دینا ہوگا۔ اور توجہ زمر کی طرف مبذول کر دی جو سامنے سے فائل کے صفحے سرسری انداز میں پلٹتی تیز تیز اس طرف آ رہی تھی۔ ایک

معمر خاتون اور ایک دوپٹہ اوڑھے نوجوان لڑکی بھی اس کے ہمراہ تھی۔ ہاشم کو ریڈور کے سرے پہ اسے ملا تھا۔ زمر اس کے سلام کا مختصر جواب دے کر آگے ہولی۔ وہ بنا کچھ کہے ساتھ چلنے لگا۔ ایک کریوکٹ والا نوجوان اس کی بائیں جانب تھا۔

کورٹ روم تک کی یہ واک خاموشی سے کٹ جاتی اگر ہاشم کی کسی بات کے جواب میں وہ نوجوان بگڑے تاثرات سے یہ نہ کہتا۔

''انہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں رقم ادا کر رہا ہوں۔ ورنہ کورٹ میں یہ مجھے rapist (عزت لوٹنے والا) ثابت نہیں کر سکتے۔'' ساتھ ہی دبے دبے غصے سے اس لڑکی کو دیکھا۔

ہاشم نے نظروں سے تنبیہہ کی' مگر زمر کے قدم ایک دم رکے تھے۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی اور سنجیدہ مگر تیکھی نگاہوں سے اس کو دیکھا۔

''آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔ ورنہ اگر ہم ٹرائل پہ جاتے تو آپ کو معلوم ہے کیا ہوتا؟''

ہاشم نے ابرو اٹھا کر لڑکے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ جو پہلے ہی بہت برے موڈ میں تھا' اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

''میں باعزت بری ہو جاتا اور مجھے یہ پیسے نہ دینے پڑتے اور میری جاب....''

مدعی لڑکی کی ماں تلخی سے کچھ بڑبڑائی تھی۔ ہاشم نے لڑکے کو ہاتھ اٹھا کر خاموش کیا اور زمر کو دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

''میڈم پراسیکیوٹر.... میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ٹرائل پہ جانے کے بعد کیا ہوگا؟''

الفاظ کی سنجیدگی کے باوجود ہاشم کی مسکراہٹ برقرار تھی۔ ''بارہ سال.... کم سے کم بھی بارہ سال کیس عدالت میں چلے گا اور کچھ ثابت نہیں ہوگا۔ ثنا نے فرید کو خود وہاں بلایا تھا۔ میرے پاس ان کے ٹیکسٹ میسجز کا ریکارڈ ہے۔ اور اس بات سے ثنا انکار نہیں کر رہی کہ ان کا چھوٹا موٹا سہی' مگر افیئر تھا تو۔ نہ صرف میں عدالت میں اس افیئر کے ثبوت پیش کروں گا' بلکہ دس ایسے لوگوں کو بھی لاؤں گا جن کو اس لڑکی نے زندگی میں کبھی دیکھا بھی نہیں ہوگا اور وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ یہ ان کے ساتھ بھی یہی کر چکی ہے۔ میں اس کو عدالت میں پیشہ ور عورت ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ اس کا خاندان اور محلّہ اس کو ڈس اون کر دے گا۔ کوئی اس سے شادی نہیں کرے گا اور بارہ سال بعد آخری پیشی پہ جب یہ ہار جائے گی تو اس کے پاس نہ شوہر ہوگا اور نہ بچے۔ اس لیے آپ کو واقعی ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔''

فرید نے فخریہ مسکرا کر ہاشم کو دیکھا۔ ثنا کی ماں نے لبوں میں کوئی بد دعا بڑبڑائی۔ ثنا کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''اصل میں ہوگا یہ ہاشم! کہ جب کیس ٹرائل پہ جائے گا تو میں اسے ٹرائل تک نہیں رکھوں گی۔ پہلے مہینے میں ہی میں پوری اسٹوری میڈیا پہ لیک کر دوں گی۔ یہ شام کے اخبار کی سرخی جتنا کیس نو بجے کی خبروں میں آئے گا۔ آٹھ اور دس بجے والے ٹاک شوز اس پہ بات کریں گے۔ ثنا کو مارننگ شوز پہ بلایا جائے گا جہاں یہ میل شاؤنسٹ قسم کی خواتین کے ساتھ بیٹھ کر ظلم کی پوری داستان سنائے گی۔ این جی اوز اس کے لیے واک کریں گی۔ یہ انٹرنیشنل سیمینارز پہ مدعو ہوگی۔ اینٹی آرمی طبقہ اس کو فرید کی ثنا کے ساتھ نہیں' بلکہ ایک جرنیل کے بیٹے کی ایک مظلوم لڑکی کے ساتھ زیادتی بنا دے گا اور تمہارا۔'' فرید کی طرف رخ کرتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی۔ ''سوشل سرکل تمہیں آؤٹ کر دے گا۔ تمہارا باس تمہاری رپورٹ پہ مشکوک الفاظ لکھے گا۔ کوئی بھی لڑکی تم سے شادی کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچے گی' کیونکہ قاتل کو لوگ قبول کر لیتے ہیں' بدکار کو نہیں۔ میں ثنا کو ایک اسٹار بنا دوں گی اور بارہ سال بعد تم کیس جیت بھی جاؤ تو تم بہت کچھ ہار چکے ہو گے۔ اور وہ ہارے ہوئے رشتے تمہیں یہ تمہارا پچاس ہزار کے ہیئر کٹ اور ڈھائی لاکھ کے سوٹ پہنے کھڑا وکیل واپس نہیں لا کر دے گا۔ سو اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو پراسیکیوٹر کے سامنے اپنے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ کو روک لیتی۔''

مسکراہٹ معدوم تھی اور ایک کٹیلی نظر ان دونوں پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی۔ فرید کا چہرہ اب ثنا سے مختلف نہ تھا۔ ہاشم پہ البتہ کوئی اثر

نہ ہوا تھا۔ وہ کندھے ذرا سے اُچکا کر اس کے پیچھے ہولیا۔

❖❖❖

اس نے پیپر مکمل کر لیا تھا اور ابھی امتحانی دورانیہ ختم ہونے میں پندرہ منٹ تھے۔ تب تک ممتحن ٹیچرز نے اسے وہیں بیٹھے رہنے کو کہا تھا۔ حنین پرچہ الٹا رکھ کر بیٹھی لکھ لکھ کر دکھتی انگلیوں پہ جن پہ کہیں کہیں انک لگ گئی تھی' کو سہلا رہی تھی۔ اسے پیپر کر کے پڑھنے کی عادت نہیں تھی اور بعد میں باہر لڑکیوں کے گروپ میں کھڑے ہو کر ایک ایک جواب ملانے سے تو وہ بھاگتی تھی۔ آدھے جواب تو وہیں غلط نکل آتے تھے۔

''بس تین پرچے مزید اور پھر بی اے ختم۔ شکر....'' اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ لڑکیاں سر جھکائے دھڑا دھڑ لکھے جا رہی تھیں۔ امتحانی عملے کی خواتین کڑی نظروں سے دیکھتی ٹہل رہی تھیں۔ حنین کی نظریں روشن دان تک گئیں۔ تین' تین' تین' ایک' ٹوٹل ہوئے دس.... وہ اسی طرح کھڑکیاں' دروازے' سڑک کنارے درخت گنا کرتی تھی اور وہ بھی دس دس کے گروپ بنا کر پھر سے شروع کرتی۔

سارے دروازے گن کر اس نے ایک خشک سیاہی والا قلم نکالا اور اس کی نب کو کرسی کے بازو پہ رگڑ کر ان دیکھے الفاظ لکھنے لگی۔ وہ عموماً پھول بناتی تھی یا تکون۔ اور پھر اپنا نام لکھنا شروع ہو جاتی۔ Haneen Yousuf حنین یوسف.... حنین.... حنین.... اور لاشعوری طور پہ اس کے بنا سیاہی کے قلم نے لکھنا شروع کر دیا۔

''ہاشم کاردار.... ہاشم.... ہاشم۔''

وہ ایک دم چونکی۔ پھر قدرے گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ چہرے کا رنگ تھوڑا سرخ ہوا۔ بے چینی سے ماتھے پہ گرے بال ٹھیک کیے۔ جو بات کبھی کسی سے نہ کہی ہو' وہ اچانک باہر نکل آئے' جیسے بھرا ہوا گلاس چھلک جاتا ہے' تو انسان اپنے ہی ہاتھوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ اس نے قلم رکھ دیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔

نظروں کے سامنے وہ چند لمحات' چند گھڑیاں گزریں.... جب اس نے کبھی ہاشم کو دیکھا تھا یا اس سے ملی تھی۔ خاندانی دعوتیں.... تہوار.... وہ ان کی ماں کے سوتیلے بھائی کا فرسٹ کزن تھا۔ ہر وقت مسکراتا ہوا.... بہت شاندار اور متاثر کن.... مگر ایک دور کا رشتہ دار.... اس کے قریب کھڑے ہو کر اس کو دیکھنا ایسے تھا جیسے بندہ آئفل ٹاور کے نیچے ہجوم میں کھڑا ہو۔

مگر اب آئفل ٹاور تک گئے بھی کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ خاندان میں دور.... دور تک کوئی ایسی تقریب ہی نہیں ہوئی جس میں اس کی ایک جھلک بھی نظر آ جاتی۔ پتا نہیں کب دوبارہ وہ اسے دیکھے گی؟

اس نے بے دلی سے سوچا اور خشک نب سے پھر سے تکونیں بنانے لگی.... پھر پھول.... پھر حنین.... اور پھر سے ہاشم....

❖❖❖

ہاشم نے دروازے پر دستک دی اور پھر ہینڈل پکڑ کر دھکیلا۔

اندر آفس میں پُرسکون خاموشی تھی۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھی تھرماس سے پیالی میں چائے انڈیل رہی تھی۔ قریب ہی فائلز اور موٹی سیاہ جلد والی کتابیں کھلی رکھی تھیں۔ زمر نے بس ایک نظر اسے دیکھا' پھر خاموشی سے چینی دان اٹھایا۔

''اونہوں.... مجھے پھیکی چائے پسند ہے۔'' ہاشم نے مسکرا کر کہتے منع کیا.... دروازہ بند کر کے اندر آیا.... کرسی کھینچی.... ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا.... کوٹ کا بٹن کھولا اور اس کے آگے سے پیالی اٹھا کر لبوں سے لگائی۔

زمر نے ابرو اُچکا کر چینی دان واپس رکھ دیا اور فائل کے صفحے پلٹنے لگی۔

دو تین گھونٹ بھر کر ہاشم نے پیالی میز پہ رکھی.... پھر خوشگوار مسکراہٹ سے اس کو دیکھ کر بولا۔ ''سو.... ہم اب ٹھیک ہیں آپس میں؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' وہ فائل پہ چہرہ جھکائے سنجیدگی سے بولی۔

''شاید نہیں.... کیونکہ جس طرح ابھی باہر آپ میرے ہیئر کٹ اور سوٹ کو درمیان میں لائیں....'' ہاشم نے ذرا سے شانے اُچکائے۔''اس پہ میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔''

اس نے نگاہیں اٹھا کر سنجیدگی سے ہاشم کو دیکھا۔''اگر اگلی دفعہ آپ نے کسی کو یوں میرے سامنے ہراساں کرنے کی کوشش کی....تو ہم اس کے بعد ٹھیک نہیں ہوں گے' اِز ڈیٹ کلیئر؟''

''کرسٹل!'' ہاشم نے پیالی سے دوبارہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔اس کے گھنگھریالے بال کیچر میں آدھے بندھے تھے۔ناک کی لونگ چمک رہی تھی اور سکیڑی ہوئی آنکھوں میں ٹھنڈی سی بے رحمی تھی۔

''میں اپنی جاب کر رہا تھا' پھر بھی معافی مانگتا ہوں۔''

''آپ کو مانگنی بھی چاہیے۔'' وہ پھر سے فائل کی طرف متوجہ ہوگئی۔چند لمحے کے لیے ہاشم کچھ نہ بولا تو زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مجھے یقین ہے آپ صرف سوری کرنے نہیں آئے۔آپ کو کوئی فیور چاہیے۔'' فائل بند کر کے وہ پیچھے ہو کر بیٹھی۔'' کہیے! میں سن رہی ہوں۔''

ہاشم نے مسکرا کر ایک پیپر بیگ سامنے رکھا۔زمر نے اسے کھولا۔اندر سے ایک کارڈ نکالا۔

''کیا آپ دوبارہ شادی کر رہے ہیں؟'' اسی سرد انداز میں مسکرا کر زمر نے کارڈ سامنے کیا۔وہ ہلکا سا ہنسا۔

''اونہوں....میری بیٹی سونیا کی چھٹی سالگرہ ہے اور آپ انوائٹڈ ہیں۔''

زمر نے کارڈ دیکھا۔وہ مستطیل ڈبے میں رکھا تھا۔کسی شیلڈ کی طرح۔سب سیاہ تھا اور سامنے سنہرے ربن سے وہ بناڈھکن کا ڈبہ بند ہوتا تھا۔اندر ایک چھوٹا آر ایس وی پی کارڈ بھی رکھا تھا۔جس کی ایک سطر میں شرکت کرنے کی ہامی اور دوسرے میں معذرت تھی اور دونوں کے آگے خالی خانے بنے تھے۔

''تھینک یو ہاشم....میں کوشش کروں گی' وعدہ نہیں کرتی۔مگر انویٹیشن اور فیور میں فرق ہوتا ہے۔'' اس نے کارڈ بے نیازی سے میز پہ ڈال کر اسی ٹھنڈے پرسکون انداز میں پوچھا۔

ہاشم نے ابرو سے پیپر بیگ کی طرف اشارہ کیا۔زمر نے دیکھا اس میں ایک اور کارڈ بھی تھا۔اس نے وہ نکالا۔اس پہ درج تھا۔

''سعدی یوسف اینڈ فیملی۔''

ہاشم نے غور سے زمر کے بدلتے تاثرات دیکھے۔اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔چہرے پہ مضطرب سا احساس نمایاں ہوا۔پھر وہی خاموشی چھا گئی۔اس نے بے تاثر آنکھوں سے ہاشم کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''آپ اسے کوریئر کر دیں یا ہینڈ ڈلیور۔''

''نہ وہ میرے کوریئر کرنے سے آئے گا نہ خود بلانے سے۔مگر آپ کہیں گی تو وہ آئے گا۔''

زمر نے دھیرے سے شانے اُچکائے۔''میں اسے بھجوا دوں گی۔کہلوا بھی دوں گی۔مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔آپ کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتے نا۔'' وہ پہلے جیسے انداز میں بول رہی تھی۔مگر سمندر میں پتھر پھینکنے کے بعد کے بنتے دائرے ابھی تک پھیل رہے تھے۔

''نہ میں آج پیدا ہوا ہوں نہ آپ۔ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ آپ کا کہا نہیں ٹالے گا۔'' ہاشم ذرا آگے ہوا۔اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔''سعدی کو میری پارٹی میں ہونا چاہیے۔کسی بھی طرح۔آپ اسے وہاں لائیں گی۔''

زمر نے جواب نہیں دیا۔وہ بس کارڈز کو دیکھتی رہی۔ہاشم کپ رکھ کر واپس پیچھے ہوا اور اس کے چہرے کو مسکرا کر پڑھتے ہوئے نرمی

سے پوچھا۔ ''وہ کیا کر رہا ہے آج کل؟''

ہوں.... جاب۔'' وہ کسی سوچ میں تھی۔

ہاشم خاموش رہا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے پھر بھی آخری گھونٹ اندر انڈیلا اور ذرا آواز سے پیالی رکھی۔

زمر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''آپ ابھی تک یہیں ہیں' یعنی آپ کو کوئی اور بھی فیور چاہیے۔''

ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور بولنے کے لیے لب کھولے کہ....

''میرا جواب انکار ہے۔''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ابھی میں نے کچھ کہا ہی نہیں۔''

''میں جانتی ہوں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' دائرے اب پھیل پھیل کر مٹ چکے تھے اور وہ سنبھل چکی تھی۔ ''آپ کو سرکار بنام عبدالغفور حیدر میں سیٹلمنٹ چاہیے۔ مگر نہیں.... ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔''

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس نے واقعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔ ''لیکن یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا۔ غلطی ڈرائیور کی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ دیت دینے کو تیار ہے۔''

''وہ ایک سولہ سال کی لڑکی تھی جو اس ایکسیڈنٹ میں مر گئی ہے ہاشم۔ ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔''

اگر لڑکی کا خاندان دیت لینے پہ راضی ہو گیا تب پراسیکیوٹر کا کیا خیال ہوگا؟''

''تب پراسیکیوٹر اپنی جیب سے دیت جتنی رقم ادا کر کے متاثرہ خاندان کو مجبور کر دے گا کہ وہ ٹرائل پہ جائیں۔''

اوہ.... آپ خود یہ رقم ادا کریں گی ان کو؟'' اس نے مصنوعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔

زمر پہلی دفعہ پورے دل سے مسکرائی۔

''میں نے کہا' ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں' میں نہیں۔ سوری مگر آپ کو شاید معلوم نہیں یہ کیس میں پلیڈ نہیں کر رہی۔ یہ پراسیکیوٹر بصیرت کا کیس ہے۔''

وہ ایک لمحے کے لیے بالکل خاموش رہ گیا بھنویں سکیڑ کر اس نے واقعتاً اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

''پچاس ہزار کا ہیئر کٹ اور ڈھائی لاکھ کا سوٹ۔ آپ واقعی ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔'' بظاہر مسکراتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ نے جان بوجھ کر یہ کیس انہیں دے دیا کیونکہ جب انہیں معلوم ہوگا کہ ڈیفنس میں ہاشم کا کردار ہے تو وہ کبھی اسے سیٹل نہیں کریں گے۔ گڈ' ویری گڈ۔'' زمر نے مسکرا کر ابرو اُچکائے۔

''میں معاف نہیں کیا کرتی ہاشم! یونو ڈیٹ۔ کیا میں اب بھی آپ کی پارٹی میں انوائٹڈ ہوں؟''

''بالکل! اور آپ سعدی کو بھی لائیں گی۔ ہمارے ذاتی تعلقات اس سب کی وجہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔'' وہ مسکرا کر اٹھا۔ کوٹ کا بٹن بند کیا۔ بار بار بجتا موبائل سائلنٹ کیا۔ پھر اسی رسان سے بولا۔ ''میں اس کیس کو سیٹل کروالوں گا۔ ہاشم سب سنبھال لیتا ہے' یونو ڈیٹ۔ باوجود اس کے کہ بصیرت صاحب کے پاس آج کے بعد بہت وقت ہوگا۔'' اس نے سمندر میں دوسرا پتھر پھینکا۔

''کیوں؟ آج کیا ہوا ہے؟'' اس نے دوبارہ سے فائلز کھول لیں۔

''ان کے کیس کا فیصلہ جو آ گیا ہے۔''

''کس کیس کا؟'' وہ اب ایک سطر کو انڈر لائن کر رہی تھی۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ زمر نے دوسری سطر انڈر لائن کی۔ پھر ایک دم

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

''کس.... کس کیس کا؟'' اب کے سوال کی نوعیت مختلف تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ شاک اور اضطراب تھا اور چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ جیسے سنہرے صحرا میں اچانک سے برف باری ہو جائے۔

''اوہ.... آپ کو نہیں معلوم تھا؟ مجھے بھی ابھی پتا چلا۔'' ہاشم کو جیسے بہت افسوس ہوا تھا۔

''کیا فیصلہ آیا؟'' اس نے اگلی سانس میں پوچھا۔ وہ جگہ سے بھی نہیں اٹھی۔ گردن اٹھا کر ہاشم کو دیکھتی وہ بالکل ساکن تھی۔

''ناٹ گلٹی۔ ہر الزام سے بری۔'' ہاشم نے ہمدردی سے سر جھٹکا۔ ''آئی ایم سوری۔'' پھر دوبارہ سے بجتے موبائل کی طرف متوجہ ہوتا باہر نکل گیا۔ کوریڈور میں آ کر اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس کے آفس کے بند دروازے کو دیکھا۔

''میں بھی معاف نہیں کرتا یُولٹل بچ!'' اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

اندر زمرا بھی تک اسی طرح بیٹھی تھی۔ صحرا میں برف باری ہنوز جاری تھی۔

.....❖❖❖.....

## یہی جنوں کا یہی طوق و دار کا موسم

دوپہر سہ پہر میں بدل گئی۔ مگر اس جیل کا آہنی گیٹ ویسا ہی تپ رہا تھا۔ باہر نکل کر اس نے سنہری آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے اِدھر اُدھر کسی کو تلاش کیا اور پھر وہ اسے نظر آ گیا۔ دور' گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا سعدی۔ اسے آتا دیکھ کر سعدی بھی مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ دونوں نے قدم قدم فاصلہ عبور کیا اور آمنے سامنے آئے۔ فارس اپنے بھانجے سے دو انچ لمبا تھا۔

اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ یوں بڑھایا جیسے آرم ریسلنگ کے لیے پنجہ بڑھاتے ہیں۔ سعدی نے جوابی پنجہ اس کے ہاتھ سے ملایا۔ فتح کا نشان' سعدی مسکرا رہا تھا۔ فارس سنجیدہ تھا۔

''کہاں چلیں؟'' کار میں بیٹھ کر پہلا سوال سعدی نے پوچھا۔ ''ہمارے گھر یا کاردارز کی طرف؟''

''قبرستان۔''

سعدی نے ہوں کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ فارس نے ایک نظر دونوں کی سیٹوں کے درمیان گیئر کے ساتھ خانے میں رکھے سعدی کے موبائل کو دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''میں آؤں؟'' قبرستان کے سرے پہ گاڑی روک کر سعدی نے پوچھا۔

''مجھے تنہائی کی عادت ہے' وقت لگے گا۔'' یہ واضح نہ تھا۔ کہہ کر وہ نکل گیا۔

سعدی خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کا موبائل اب خانے میں نہیں پڑا تھا۔

قبرستان میں ان دو قبروں پہ فاتحہ پڑھ کر وہ اٹھ گیا۔ پھر ایک درخت کی اوٹ میں آیا جہاں سے سعدی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور اس کے موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔

''ہاں اسٹپنی.... غازی بول رہا ہوں۔'' بات کرتے ہوئے عادتاً کان کی لو کو دو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔ ''ہاں میں باہر آ گیا ہوں۔ بات سنو دھیان سے۔ مجھے کچھ چیزیں چاہئیں۔ کل شام تک تیار ہوں۔ میری گن' میرا چاقو۔ ایک بلیو پاسپورٹ۔ دو مختلف شناختی کارڈ میری تصویر اور میرے نام کے ہوں مگر گورنمنٹ ایشوڈ ہوں اور اس کے علاوہ....'' وہ جدید اسلحے کے چند نام گنواتا گیا۔ پھر رک کر جیسے اکتاہٹ سے اس کی بات سنی۔

''جو کہا ہے وہ کر کے دو۔ زیادہ سوال مت کرو۔'' کال بند کر کے ریکارڈ مٹایا اور ایک آخری نظر ان دو قبروں پہ ڈالی۔ زرتاشہ فارس

غازی' وارث غازی۔ چند لمحے وہ وہاں کھڑا رہا۔ پھر ان دونوں سے کچھ بھی کہے بغیر واپس آ گیا۔

کار میں سعدی اِدھر اُدھر ہاتھ مارتا کچھ تلاش کر رہا تھا۔

''کیا ہوا؟''

''پتا نہیں موبائل کدھر رکھ دیا۔''

''یہ.... تمہاری سیٹ کے پیچھے گرا ہے۔'' سعدی نے چونک کر دیکھا۔ اس کا موبائل پچھلی نشست کے نیچے گرا تھا۔ جیسے اگلے خانے سے سلپ ہو کر پیچھے گر گیا ہو۔ سعدی نے شکر کرتے ہوئے فون اٹھایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''کیا تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ جج نے مجھے رہا کر دیا؟'' فارس کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ سعدی نے شانے اُچکائے۔

''آپ نے وہ قتل نہیں کیے' میں جانتا ہوں۔''

''کیا فرق پڑتا ہے؟ پوری دنیا تو یہی سمجھتی ہے۔ اور وہ جج.... وہ اتنی آسانی سے کیسے مانا.... مجھے حیرت ہے۔'' کہتے ہوئے مڑ کر غور سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

''اگر تمہارا اس میں کوئی ہاتھ ہے سعدی' تو کہہ دو۔ میں سن رہا ہوں۔''

''میرا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے؟ میری بات جج سنے اور مانے گا بھی کیوں؟'' اس نے لاپروائی سے پھر شانے اُچکائے اور ڈرائیو کرتا رہا۔

فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مگر تم نے میری بات کی تردید نہیں کی۔ ٹھیک ہے۔'' اور کھڑکی کے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔ سعدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموش رہا۔

''تم بولو گے یا میں کسی دوسرے طریقے سے تمہیں بلواؤں؟'' اب کے فارس نے ذرا دھیمے لہجے میں سخت بات کی تو سعدی نے بے زاری سے موڑ کاٹا۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ جو ہوا ہے قدرت نے کیا ہے۔''

''اچھا اور تمہاری قدرت نے کیا کیا ہے؟''

''وہی جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ ہامان کو فرعون کے خلاف کھڑا کرنا۔''

''کیا؟'' فارس نے ابرو تان کر اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔

''میرے پسندیدہ قصوں میں سے ایک ہے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ۔ وجہ پھر کبھی بتاؤں گا لیکن اگر آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھنے کی زحمت کی ہو' جو کہ جیل میں آپ نے نہیں کی ہوگی' دوسروں کی ہڈیاں اور دانت توڑنے سے فرصت جو نہیں ملتی ہوگی' تو آپ کو معلوم ہوتا کہ ہامان فرعون کا ایک وزیر تھا۔ بہت دانا' بہت زور آور۔ فرعون کا دایاں ہاتھ۔ اس کا ہر حکم بجالانے والا۔ یہ سارے فرعون اپنے اپنے ہامانوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر ہم ہامان کو اپنی مٹھی میں کر لیں تو بہت سے کام نکل آتے ہیں۔ میں نے بھی بس یہی کیا تھا۔'' وہ مبہم سی بات کر کے پھر سے خاموش ہو گیا تھا۔ فارس سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں رقم تھیں۔

.....❖❖❖.....

دل کو لہو کریں کہ گریباں رفو کریں

اس بلند و بالا عمارت کے ٹاپ فلور کا وہ کشادہ اور پُرتعیش انداز میں آراستہ آفس مکمل روشن تھا۔ پاور سیٹ پہ جواہرات ٹیک لگائے اپنی قمیص اور نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کرسی پہ بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

پیچھے نوشیرواں مضطرب، جھنجھلایا ہوا سا ٹہل رہا تھا۔ کسی پنڈولم کی طرح۔ دائیں سے بائیں اور واپس دائیں۔

''مجھے وضاحت چاہیے ہاشم!'' جواہرات نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ''تم اتنے بے خبر کیسے ہو سکتے ہو کہ اس کے رہا ہونے سے پہلے تمہیں معلوم بھی نہ ہو سکے۔''

''میں اراضی کے مقدمات میں مصروف تھا اور یہ سب اچانک ہوا ہے۔'' ہاشم نے فون رکھ کر کندھے ذرا جھٹک کر کہا۔ ''جسٹس اسکندر کے تاثرات میں نے دیکھے تھے۔ وہ ذہن بنا کر آیا تھا۔ یقیناً اسے اس کام کے لیے پہلے سے راضی کر لیا گیا تھا۔''

''ان لوگوں کی اتنی حیثیت نہیں کہ اس با اثر جج کو خرید سکیں۔''

''ججز صرف خریدے نہیں جاتے' ان کو مجبور کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔''

نوشیرواں گھوم کر ہاشم کے سامنے آیا۔ ''اور اگر کسی نے اس جج کو بلیک میل کیا ہے بھائی! تو وہ اس سعدی کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''پلیز شیرو.... کیا ہم سعدی سے ہٹ کر کوئی بات کر سکتے ہیں؟'' مسکراتی ہوئی جواہرات کی آنکھوں میں سخت تنبیہہ ابھری۔

''اس نے وہاں دس لوگوں کے سامنے میری بے عزتی کی اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے بھول جاؤں؟'' حسب عادت نوشیرواں بھڑک اٹھا۔

''تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔'' مگر وہ ہاشم کی بات نہیں سن رہا تھا۔

''وہ مجھے جتا رہا تھا کہ وہ میرے چالان کے متعلق جانتا ہے جو انگلینڈ میں ہوا تھا۔ وہ خود کو سمجھتا کیا ہے؟ ممی میں آپ کو بتا رہا ہوں' آپ اسے پارٹی میں انوائیٹ نہیں کر رہیں۔ میں اس کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا۔''

''میں کارڈ دے چکا ہوں.... سوری....!'' ہاشم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''شیرو....! سعدی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ پارٹی میں آئے گا تو میں اسے دیکھ لوں گی۔ اپنے بیٹے کی بے عزتی کا بدلہ کیسے لینا ہے' مجھے معلوم ہے۔'' کہتے ہوئے آگے ہو کر نرمی سے اس نے شیرو کا ہاتھ دبایا۔ وہ ذرا ڈھیلا پڑا۔

''مسئلہ فارس ہے۔ میں اسے اپنے اردگرد برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے بتاؤ ہاشم! تم اس معاملے کو حل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہو؟''

ہاشم اب کاغذ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ یقیناً وہ بھی ڈسٹرب تھا۔ مگر کمپوزڈ نظر آ رہا تھا۔

''میں نے اسے ایک دفعہ اندر کروایا تھا۔ دوسری دفعہ بھی کروا سکتا ہوں۔''

''وہ ایک دفعہ باہر آ سکتا ہے تو دوسری دفعہ بھی آ جائے گا۔ سو بہتر ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا کھیلو۔ وہ نہیں جانتا کہ قتل کس نے کیے تھے اور اس کے نزدیک ہم اس کی واحد فیملی ہیں۔'' جواہرات مطمئن نہیں تھی۔

''وہ ہمیں کبھی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔'' نوشیرواں اُکتا کر کہتا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''اس لیے بہتر ہے کہ وہ ہم سے دشمنی نہ رکھے۔ کیونکہ باہر آنے کے بعد وہ سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ وہ سب کس نے کروایا تھا۔''

''ہاشم سنبھال لے گا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟'' ہاشم بہت اعتماد اور اطمینان سے پیچھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے تب بھی جو کچھ کیا' اپنی فیملی کے لیے کیا۔ اب بھی اپنی فیملی کو پروٹیکٹ کرنے کے لیے مجھے جو بھی کرنا پڑا' میں کروں گا۔ اپنی فیملی کے لیے کچھ بھی کرنا جرم نہیں ہوتا۔ اگر میں وارث غازی کو رستے سے نہ ہٹاتا تو وہ ہمارے خلاف کیسز کھول کر ہمیں تباہ کر سکتا تھا۔ اور وہ زرتاشہ' میں اس کو نہ مرواتا تو

اس قتل کو کبھی آنر کلنگ کی شکل نہ دے سکتا۔ مجھے اس کے لیے افسوس ہے' مگر میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ پھر جب قتل ہوتا ہے تو کسی کو تو جیل جانا پڑتا ہے۔ مجھے فارس سے ہمدردی ہے۔ اس کے چار سال ضائع ہوئے' مگر وہ ایک انٹیلی جنس آفیسر تھا۔ اگر وہ اندر نہ جاتا تو قاتل کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا۔ اپنے خاندان کو محفوظ رکھنے کے لیے میں نے اسے بزی رکھا تو کیا غلط کیا؟ وہ زندہ سلامت ہے' اس کا تو کچھ بھی نہیں گیا۔ اپنوں کو تو سب کھوتے ہیں۔ ہم نے بھی ڈیڈ کو کھویا تھا۔ بے شک نیچرل ڈیتھ سے ہی سہی۔ مگر ہماری زندگیوں میں بھی دکھ ہیں' پریشانیاں ہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ ان سب کے لیے۔ مگر زمر کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے اسے گواہی کے لیے زندہ چھوڑ دیا۔ وہ ٹھیک ہے۔ زندگی گزار رہی ہے۔ پرفیکٹ تو نہیں ہو سکتی نا اب زندگی۔''

ہاشم نے بات کرتے ہوئے ذرا سے شانے اُچکائے۔

''بہت سے لوگوں کی زندگی اگر دو' چار کی قربانی سے بچ جاتی ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ میں فارس کو سنبھال لوں گا۔ اسے آنے دیں.... ممی.... وہ کچھ نہیں کر سکتا.... اوکے۔ وہ ایک جذباتی' غصے میں پاگل ہو جانے والا آدمی ہے۔ نہ اس میں عقل ہے' نہ اس میں کوئی دور اندیشی ہے۔ جیل میں رہ کر وہ کتنا بدلا ہوگا؟ ویسا ہی بد دماغ ہوگا۔ ایسے دشمن کو تو انسان تھکا تھکا کے ہی مار دیتا ہے۔''

پھر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب ہم تمہارے پروجیکٹ کے بارے میں بات کر لیتے ہیں شیرو!''

اور نوشیرواں نے جیسے کڑوی گولی نگل لی۔ وہ بے دلی سے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

''اور میرے پروجیکٹ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے بھی کون ہیں بھائی؟ سعدی اور اس کی باس۔''

ہاشم بے اختیار ہنس دیا۔ ''یار یہ تمہارا اور سعدی کا کسی لڑکی پہ جھگڑا تو نہیں ہے؟''

جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا اور بغور شیرو کے تاثرات دیکھے جو مزید خفا لگنے لگا تھا۔

''شیری.... سونیا کو کب گھر لائے گی؟'' جواہرات نے اسی کو دیکھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ شیرو ایک دم کوئی فائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ البتہ اس کی گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی واضح محسوس ہوئی تھی۔

''اس وقت اس کا کیا ذکر؟'' ہاشم نے گویا ناک سے مکھی اڑائی اور کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

.....❖❖❖.....

جو رنجشیں تھیں جو دل میں غبار تھا' نہ گیا

اس درمیانے درجے کے بنگلے کے لاؤنج کی بڑی سی کھڑکی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ شیشہ آئینہ بنا لان کا عکس دکھا رہا تھا۔ کھڑکی سے چہرہ لگا کے دیکھو تو اندر وہ تھکی تھکی سی چیزیں اٹھائے داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ درمیان سے مانگ نکال کر گھنگھریالے بال کیچر میں ہاف باندھے' وہ جھولتی لٹ کان کے پیچھے اڑستی کچن کے دروازے تک گئی۔

''صداقت! کھانا تیار ہے؟''

''جی باجی.... بس روٹی ڈال رہا ہوں۔''

''پھر کھانے کے بعد.... سعدی کی طرف جانا' ایک کام ہے۔''

لاؤنج میں وہیل چیئر پہ کتاب پڑھتے بڑے ابا نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ وہ اب واپس آ رہی تھی۔

''دن کیسا گزرا تمہارا؟'' انہوں نے معمول کا سوال کیا۔

''بس روزمرہ کے کام تھے۔'' وہ صوفے پہ بیٹھ کر جوتوں کا اسٹریپ کھولتے ہوئے بولی۔

''سماعت کیسی رہی؟''

''ہاشم کاردار کا کلائنٹ تھا۔کیسی ہوسکتی تھی؟'' ابا کے کتاب پہ جھکے چہرے پہ ناگواری ابھری۔

''ہر کرپٹ اور گناہ گار آدمی اسی کا کلائنٹ کیوں ہوتا ہے؟''

''وہ ایک اچھا ڈیفنس لائر ہے ابا! اسے گناہوں کی جسٹی فکیشن دینا آتی ہے۔'' وہ کیچر اتار کر بال جوڑے میں باندھنے لگی۔

''مجھے وہ سخت ناپسند ہے۔انتہائی جھوٹا اور مکار آدمی ہے۔''

''سو تو ہے۔'' زمر نے تائید کی۔

بڑے ابا نے کتاب پرے کر کے اس کا چہرہ دیکھا۔''سعدی سے کیا کام ہے؟''

''ہاشم نے اپنی بیٹی کی سالگرہ کا کارڈ دیا تھا سعدی کے لیے۔وہی دینا ہے۔'' وہ سرسری سا بتا کر ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگی۔

''تو تم دے آؤ۔'' انہوں نے ایک دم اتنی امید اور اتنی منّت سے کہا کہ زمر نے بے اختیار ان کو دیکھا۔

''میں نہ بھی جاؤں تو فرق نہیں پڑتا۔میں اس سے ناراض نہیں ہوں ابا!''

''تو پھر چلی جاؤ۔اس کی سالگرہ پر ہی وش کر دینا۔''

زمر نے ان کی آنکھوں کو دیکھا۔وہ اداس نظر آ رہی تھیں۔اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''وہ چھوٹا ہے۔تم تو بڑی ہو۔اگر اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو تم معاف کر دو۔وہ تمہاری بیماری میں تمہارے ساتھ نہیں تھا۔واقعی یہ اس کی خطا تھی۔''

''میں کب کا معاف کر چکی۔میں اس کے خلاف برا نہیں سوچ سکتی۔وہ میرا بیٹا ہے ابا۔''

''تو کارڈ تم خود دے آؤ۔زندگی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔کون کب چلا جائے اور دوسرے کو تا زندگی پچھتاوا ہی رہے۔''

وہ بنا کچھ کہے اٹھ گئی۔ابا دکھ سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔انہوں نے پھر کتاب نہیں اٹھائی۔وہ کمرے میں جاتے صداقت کو آواز دیتی گئی۔''میری روٹی مت بنانا۔'' اور وہ مزید دکھی ہو گئے۔اب اس کا موڈ بگڑ چکا تھا اور وہ کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند ہو جائے گی۔

دس، پندرہ منٹ بعد وہ کپڑے بدل کر، فریش ہو کر کمرے سے نکلی تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کھانا نہیں کھانا؟''

''کیا آپ کا پوتا مجھے کھانا بھی نہیں پوچھے گا؟'' عام سے انداز میں سنجیدگی سے کہہ کر اس نے میز سے کارڈ اٹھائے اور پرس کندھے پہ ڈالا۔

ابا جہاں تھے، وہیں رہ گئے۔آنکھوں میں تحیّر، بے یقینی ابھر کر معدوم ہوئی اور اس کی جگہ خوشگوار تذبذب نے لے لی۔جیسے کوئی خواب میں آنکھ کھلنے کے ڈر سے صحیح سے خوش بھی نہ ہو پائے۔ایک دم ان کا چہرہ بجھا۔

''کیا تمہیں پتا چل چکا ہے کہ فارس رہا ہو چکا ہے؟''

وہ جیسے ٹھنڈی سانس لے کر دروازے سے پلٹی۔''اگر آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں سعدی سے یہ پوچھنے جا رہی ہوں کہ فارس کیسے رہا ہوا تو ایسا نہیں ہے۔میں اتنی اسٹریٹ فارورڈ ہوں کہ اگر مجھے اس سے کچھ بھی پوچھنا ہو تو میں چار منٹ کی کال کر کے بغیر تمہید کے بھی پوچھ سکتی ہوں۔ابھی مجھ سے ہاشم نے ایک فیور مانگا ہے اور میں اسے وہی دینے جا رہی ہوں۔'' اسی سنجیدگی سے کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

ابا کے چہرے پہ خوشگوار حیرت ابھر آئی۔صداقت بھی بھاگ کر چوکھٹ میں آ کھڑا ہوا تھا اور اب ان ہی حیران مگر مسرت آمیز تاثرات کے ساتھ ان کو دیکھ رہا تھا۔

❖❖❖

یہی ہے جبر یہی ہے اختیار کا موسم

حنین اور اسامہ تب سے فارس کے گرد بیٹھے تھے جب سے وہ آیا تھا۔ سعدی خاموشی سے گول میز پہ ان کے مقابل بیٹھا تھا۔

''ماموں.....! کیا وہ دوبارہ تو آپ کو.....نہیں لے جائیں گے؟'' حنین نے جھجکتے ہوئے انجانے خوف کے زیر اثر سوال کیا۔ فرنچ چوٹی اور ماتھے پہ کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ اب گھر کے لباس میں تھی۔

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ ''نہیں۔'' ساتھ ہی سعدی کو دیکھا۔ سعدی نرمی سے مسکرا دیا اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگا۔

''اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گے نا؟'' سیم نے اشتیاق سے پوچھا۔

''میرے لیے اچھا ہوگا اگر میں اپنا گھر کھولوں۔''

''کیوں جاتے ہو ادھر؟ یہیں رہو نا۔'' ندرت نے ناراضی سے کہتے میز پہ مٹر قیمہ کا ڈونگا رکھا' کھانا بس لگ ہی چکا تھا۔

''مجھے بہت سے کام کرنے ہیں آپا! مگر آتا جاتا رہوں گا۔'' وہ سنجیدگی بھرے سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ عموماً دھیما بولتا تھا' چھوٹے چھوٹے فقرے' لیکن غصہ چڑھنے پہ آواز بلند ہو جاتی تھی۔

ندرت نے تازہ چپاتی لا کر رکھی ہی تھی کہ فارس ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گیا۔ ویسے بھی وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ جینز کے اوپر بٹنوں والی شرٹ' بال اسی طرح پونی میں مقید۔ سعدی نے پیچھے سے آواز لگائی۔

''ماموں! آپ کو ہیئر کٹ کی اشد ضرورت ہے۔''

''نہیں۔ ماموں اس ہیئر سٹائل میں زیادہ اچھے لگ رہے ہیں۔'' حنین نے فوراً مخالفت کی۔ ساتھ ہی وہ پلیٹ سے کھیرے ٹونگ رہی تھی۔ اسامہ نے اس کے ہاتھ کو پرے کیا۔ اس نے غصے سے اسامہ کو دیکھا۔ ''کیا ہے؟''

''ابھی کھانا شروع نہیں ہوا۔ تم کیوں کھا رہی ہو؟''

''تمہارے حصے کا تو نہیں کھا رہی۔ زیادہ ٹوکا مت کرو ورنہ تمہاری دم باندھ دوں گی۔''

''میری کوئی دم نہیں ہے۔'' وہ غصے سے کہتا کھڑا ہوا۔

''بس!'' سعدی نے ایک دم سنجیدگی سے کہا۔ بس ایک لفظ' اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

''کتنی دفعہ کہا ہے مت لڑا کرو آپس میں' مگر مجال ہے جو۔'' ندرت کی بات گھنٹی کی آواز نے کاٹ دی۔ فارس اسی وقت واپس آتا دکھائی دیا تھا۔ اسامہ بھاگ کر دروازے پہ گیا اور اس کے ساتھ کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھا۔

''کون ہے اسامہ؟'' سعدی نے بیٹھے بیٹھے پوچھا' مگر اسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس وہیں کھڑا رہا۔

''اسامہ! کون ہے؟'' ندرت نے سوال دہرایا۔ فارس بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ اسامہ آہستہ سے ان کی طرف پلٹا۔

''پھول لائی ہیں۔''

''کون؟''

''پھپھو۔ زمر پھپھو آئی ہیں اور پھول لائی ہیں۔''

چند لمحے کے لیے راہداری میں سناٹا چھا گیا۔ جیسے سانس آنا بھی بند ہو گیا ہو۔ ندرت پلیٹیں لگاتی رک گئیں۔ حنین کا کھیرا اٹھاتا ہاتھ رکا' چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا۔ البتہ سعدی تیزی سے دروازے کی طرف گیا۔ فارس نے باری باری سب کو دیکھا۔

''سعدی!'' اس نے بے اختیار اسے روکا۔ ''میں کمرے میں ہوں۔'' ساتھ ہی نگاہوں سے اشارہ کیا' جیسے نہ ملنا چاہتا ہے' نہ اس کی آمد کی خبر کی جائے۔ سعدی نے سمجھ کر سر ہلایا۔

حنین پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ بھنویں کھنچ گئیں، چہرے پہ خفگی چھا گئی۔

دروازہ کھلنے پہ باہر کھڑی زمر نے سر اٹھایا۔ گھنگھریالے بال ہاف باندھے، وہ زرد چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ بازوؤں میں سوسن کے پھولوں کا بوکے تھا۔ بدقت مسکرائی۔ اسی پل ناک کی لونگ چمکی۔ آنکھیں بھی چمکیں۔

''سالگرہ مبارک ہو سعدی!'' پھول اس کی طرف بڑھائے۔ سعدی ابھی تک سکتہ میں تھا۔ پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ آنکھوں میں بے پناہ حیرت اتر آئی۔

''تھینک۔ تھینک یو پھپھو۔ آئیں نا اندر!'' کسی معصوم بچے کی طرح خوش ہوتا سعدی ہٹا اور اسے راستہ دیا۔ زمر کی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔ نرم تاثرات والے چہرے کے ساتھ متذبذب سی اندر داخل ہوئی۔ جس گھر میں چار سال تک قدم نہ رکھا تھا، وہاں چار قدم بھی مشکل سے پڑ رہے تھے۔

''زمر.... کیسی ہو؟'' ندرت فرط مسرت سے نہال اس سے آ کر ملیں۔ پھر ڈائننگ چیئر پیش کی۔ زمر نے ایک لمحے کو گول میز کو دیکھا جہاں کھانا چنا تھا۔ گن کر پلیٹیں رکھی تھیں۔ ایک فیملی کھانا کھانے ہی والی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

سعدی نے اصرار کیا۔ ''تھوڑا سا لے لیں۔'' مگر وہ وہاں نہیں بیٹھی۔

''میں کھانا کھا چکی ہوں۔'' شائستگی، تکلف، تذبذب، حنین کی آنکھوں میں ناراضی گہری ہوئی۔ بہرحال اس نے اٹھ کر ڈرائنگ روم کم لاؤنج کا دروازہ کھولا۔

''کیسی ہو حنین؟''

حنین جیسے اس سوال پہ ڈسٹرب ہوئی تھی مگر پھر سپاٹ چہرے کے ساتھ ''ٹھیک'' کہہ کر اندر صوفے کی طرف ہاتھ کیا۔ ''بیٹھیں۔''

زمر اسی تکلف سے صوفے کے کنارے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی تو اسامہ آ کر ملا۔ وہ جیسے اب ذرا کھل کر مسکرائی۔ اس کا گال چوما۔ پھر پیشانی سے گھنگھریالے بال نرمی سے ہٹا کر بولی۔ ''کیسے ہو اسامہ؟''

چوکھٹ میں کھڑے سعدی کی مسکراتی آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ ایک پرانا منظر ان میں جھلملایا۔

اسکول یونیفارم میں گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بینچ کے پاس کھڑا تھا۔ اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے یونیفارم میں ایک لڑکی بیٹھی تھی اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کس نے مارا ہے؟ مجھے بتاؤ۔ میں ابھی اس کو دیکھتی ہوں۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ ہمارے سعدی کو مارے؟ ادھر دیکھو۔ روؤ مت۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ تمہاری سپورٹ اور پروٹیکشن کے لیے۔'' وہ فکرمندی اور غصے سے کہہ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ؟'' اسامہ کی شرماتی آواز پہ وہ چونکا۔ پھر سامنے آ کر بیٹھ گیا اور پھولوں کو میز پہ رکھ کر بولا۔

''آپ کو یاد تھا مجھے سوسن پسند ہیں۔''

زمر نے سر کو خم دیا، بولی کچھ نہیں۔ ندرت کھانے پہ اصرار کرنے لگیں، پھر چائے پہ، وہ بس ایک کپ کے لیے راضی ہوئی۔ حنین سعدی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی، شکوہ آمیز نظروں سے پھپھو کو دیکھتی، مگر خاموش۔

''مجھے یہ کارڈ دینا تھا۔ ہاشم نے دیا ہے۔ تمہارے لیے۔'' کہتے ہوئے اس نے کارڈ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی تو چونکا ہی، حنین زیادہ چونکی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ اس نے بہت اصرار کیا تھا تو میں نے تمہاری طرف سے ہامی بھر لی۔ مجھے امید تھی کہ تم لوگ آؤ گے۔''

حنین سعدی کے کندھے پہ سے جھک کے کارڈ دیکھنے لگی۔ سعدی کے تاثرات وہ نہیں رہے تھے۔ اس نے بالکل خاموشی سے سیاہ

کارڈ پہ سنہری عبارتیں پڑھیں۔ پھر کارڈ حنین کی طرف بڑھا دیا۔

''ہاشم بھائی مجھے اپنی پارٹی میں کیوں دیکھنا چاہیں گے پھپھو؟''

''تم اس کے رشتہ دار ہو۔''

سعدی پھیکا سا مسکرایا۔''ہاشم بھائی کے ذہن میں ہر کام کی کوئی خاص وجہ ضرور ہوتی ہے۔ بہر حال آپ ان سے معذرت کر لیجئے گا۔ ہم نہیں آسکیں گے۔''

کارڈ پڑھتی حنین نے بے اختیار سعدی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ایک دم بجھا تھا۔

''گھر کی بات ہے سعدی! پہلے بھی تو جاتے رہے ہو ان کے گھر تو....''

''گھر میں ہے فنکشن؟'' سعدی نے چوکنا سا ہو کر بات کاٹی اور تیزی سے کارڈ لے کر جیسے تصدیق کی۔ آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ پھر وہ سنبھل گیا۔

''اوکے.... ہم.... آئیں گے۔'' وہ نارمل انداز میں مسکرایا۔

حنین ساری ناراضی بھول کر دوبارہ کارڈ دیکھنے لگی۔ اسامہ بھی آکر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''بلیک اور گولڈ تھیم ہے۔ مطلب ہم صرف سیاہ یا سنہری لباس پہن سکتے ہیں۔'' وہ اسامہ کو بتانے لگی۔ پھر ایک دم اس نے سعدی کے ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے کی چین پکڑی ہوئی تھی۔ زمر بھی وہی دیکھنے لگی۔ اور سعدی نے بھی گردن جھکا کر اسے ہی دیکھا۔

دو تین چابیوں کے ساتھ رنگ میں ایک تین انچ کا سیاہ مصنوعی ڈائمنڈ سا پرویا تھا۔ وہ دو انچ موٹا تھا اور اوپر سے گول' نیچے سے تکون تھا۔ کسی ہیرے کی طرح وہ روشنی منعکس کرتا تھا۔ اس پہ سنہری حروف میں لکھا تھا۔

Ants Everafter

(ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں)

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ ابھری۔

''تم ابھی تک چیونٹیوں پہ یقین رکھتے ہو؟''

''میں انہی چیزوں کے لیے جیتا ہوں جن پہ یقین رکھتا ہوں۔'' اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہتے سعدی نے سیاہ ہیرے کو دیکھا۔

چائے آئی اور ساتھ کباب' کیک اور دو ایک چیزیں۔ مگر ندرت کے اصرار کے باوجود زمر نے صرف پیالی اٹھائی اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

''یہ.... کاردارز کرتے کیا ہیں؟ ان کا بزنس کس چیز کا ہے؟'' کارڈ میں محو حنین نے پوچھا۔ اس کی نظریں نیچے لکھے ہاشم کے نام اور ساتھ درج موبائل نمبر پہ جمی تھیں۔

ایک دم سے بجلی چلی گئی اور ہر روشنی کے بجھ جانے کی خاموش آواز سنائی دی۔ پھر یو پی ایس پہ بتی جلی اور پنکھا گڑگڑ کرتا گھومنے لگا۔

سعدی ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔

''وہ ایک آئل کارٹیل کے سربراہ ہیں۔''

''کارٹیل کیا ہوتا ہے؟'' حنین نے بے اختیار پوچھا۔ پھر جیسے اپنی کم علمی پہ پھپھو کے سامنے شرمندہ ہوئی۔

''ایسے سمجھو جیسے مارکیٹ میں برگر کی تین دکانیں ہوں۔'' زمر نے نرمی سے کہنا شروع کیا۔''اور دو دکانیں پچاس کا برگر بیچیں اور ایک چالیس کا۔ تو زیادہ کس کے بکیں گے؟''

''چالیس والے کے۔'' حنین کے لبوں سے پھسلا۔ وہ ساری ناراضی بھول گئی تھی۔

''بالکل! مگر کم قیمت کے باعث چالیس والا بھی منافع زیادہ نہیں کما سکے گا۔ اور باقی دونوں ویسے ہی نقصان میں رہیں گے۔ سو یہ تینوں یوں کریں گے کہ مل کر ایک گروپ یعنی ایک Cartel بنالیں گے اور یہ طے کرلیں گے کہ تینوں دکانیں ایک ہی قیمت پہ برگر بیچیں گی۔ یوں تینوں کو کاروبار ملے گا۔''

''اور تینوں جب چاہے قیمت اکٹھی بڑھا دیں۔ لوگوں کے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوگا تو وہ مہنگا خریدنے پہ بھی مجبور ہوں گے۔'' سعدی نے مسکراتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''اور ہاشم بھائی یہی کرتے ہیں۔ وہ ملک کی تمام آئل کمپنیز کے کارٹیل کو لیڈ کرتے ہیں۔ اور یہ تیل سے بجلی بنا کر حکومت کو بیچتے ہیں۔ اور ان کا جب دل کرتا ہے' یہ بجلی کی قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ اور پھر یہ ہوتا ہے!''

اس نے ابرو سے پنکھے کی طرف اشارہ کیا جو یو پی ایس پہ چل رہا تھا۔ زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔

''میرا نہیں خیال کہ انرجی کرائسز کی وجہ آئل کمپنیز ہیں۔''

''یہ تھرکول پراجیکٹ کے سائنس دانوں اور آئل کمپنیز کے مغرور اور امیر ایگزیکٹیو کی جنگ نہیں ہے پھپھو! یہ کوئلے اور تیل کی جنگ ہے۔ مجھے یقین ہے ہاشم پارٹی میں سنہری رنگ پہنے گا۔ ایک بچی کی سالگرہ کو بلیک اور گولڈ کا تھیم دے کر وہ لوگ صرف دنیا کو اپنے مضبوط اعصاب دکھانا چاہتے ہیں۔ سیاہ اور سنہرا یعنی کوئلہ اور تیل۔''

وہ نرمی سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''اینی ویز' اب میں چلتی ہوں۔'' اس نے جیسے کسی بات میں دلچسپی نہیں لی۔ بس اٹھنے کی تیاری کرنے لگی۔ حنین نے کارڈ چھوڑ دیا۔ چہرہ پھر سے بجھ گیا۔ سعدی چپ ہوگیا۔ اسے لگا جیسے اس کی صاف گوئی نے اسے ناراض کردیا تھا۔

''کچھ دیر تو بیٹھو!'' ندرت اصرار کرنے لگیں مگر اس کا کہنا تھا کہ اگلے ہفتے تفصیل سے پارٹی پہ ساتھ بیٹھیں گے۔ سعدی اسے دروازے تک چھوڑنے گیا۔ واپس آیا تو حنین اکیلی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

''چار سال بعد آئیں اور چالیس منٹ بھی نہیں بیٹھ سکیں!'' وہ بڑبڑائی۔

''ایسے نہیں سوچتے حنین!'' وہ جیسے ہرٹ ہوا تھا۔

''مگر میں تو ایسے ہی سوچتی ہوں بھائی! آپ کا دل بہت بڑا ہے۔ آپ بھول سکتے ہیں مگر مجھے یاد ہے۔ پھپھو نے ہمیں تب چھوڑا جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ ہمارے ماموں بے گناہ تھے' مگر پھپھو نے ان کو گناہ گار مانا۔ اور اس لیے آپ بھی زیرعتاب آئے۔ مگر یہ لڑائی تو آپ کی' ماموں اور پھپھو کی تھی' میں نے تو کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا کیا قصور تھا؟ مجھے کیوں چھوڑا؟'' بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سعدی کا دل بے حد دکھا۔

''انہوں نے بہت کچھ لوز کیا ہے اس سب میں۔ ان کی صحت' ان کی شادی' ان کی زندگی' سب ختم ہوگیا۔''

''تو کیا میں نے کچھ لوز نہیں کیا؟ میں نے پھپھو کو لوز کیا ہے بھائی۔ ان چار سالوں میں کتنے ایسے دن آئے جب مجھے ان کی ضرورت تھی۔ پھپھو نہ ماں ہوتی ہے نہ بہن۔ وہ ان دونوں سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ میری تو کوئی بہن بھی نہیں تھی۔ میرا بھی دل چاہتا تھا میں ان سے بہت کچھ شیئر کروں۔ وہ میری بات سنیں۔ مگر وہ اب ہماری پروا نہیں کرتیں۔ انہوں نے ہمیں تب چھوڑا جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ یونو واٹ بھائی! اب ہم بڑے ہوچکے ہیں۔ اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی۔ میں وہ حنین نہیں ہوں جو ان کے جانے کے بعد دیر تک کھڑکی سے ان کی راہ تکتی تھی کہ شاید وہ کچھ بھول گئی ہوں' تو واپس آئیں۔ میں بھی اب ان کی پروا نہیں کرتی۔''

اس نے رخ موڑ لیا۔ سعدی نے کچھ کہنا چاہا' پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ابھی بیچ راہداری میں تھا کہ کسی احساس کے تحت واپس آیا

اور دھیرے سے لاؤنج کے اندر جھانکا۔

حنین کھڑکی کا پردہ سرکائے باہر دیکھ رہی تھی' دور سڑک پہ جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ کسی کے بھول کے واپس آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

سعدی کی آنکھوں میں اداسی اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ راہداری میں واپس چلتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔

ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔

ہوٹل کی لابی زرد روشنیوں میں چمک رہی تھی۔ چار پانچ سوٹ میں ملبوس افراد خوشگوار انداز میں ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ ان میں ایک ہاشم کا ردار بھی تھا جو کسی سے مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ ہاشم کے پیچھے اس کی سیکریٹری کھڑی تھی جس نے ایک ہاتھ میں ہاشم کا لیپ ٹاپ اٹھا رکھا تھا اور وہ ہاتھ پہلو میں گرا ہوا تھا۔ وہ بھی سامنے مسکراتے ہوئے میٹنگ کے لیے آئے افراد کو دیکھ رہی تھی۔

دور سے جینز شرٹ اور پی کیپ میں ملبوس سعدی چلتا ہوا آیا۔ اس کا سر جھکا تھا۔ وہ اسی طرح سیکریٹری کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ سیکریٹری وہیں متوجہ رہی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ لڑکے کے گزرنے کے بعد لیپ ٹاپ کے سائیڈ کے ساکٹ میں ایک فلیش ڈرائیو لگ چکی تھی۔

سعدی ایک قریبی میز پہ جا بیٹھا۔ کندھے سے بیگ اتارا۔ اندر سے ٹیبلٹ نکالا اور اس پہ مختلف جگہیں انگلی سے پریس کرنے لگا۔ اسکرین پہ پیغام آ رہا تھا۔

''آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے۔ کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟''

سعدی نے مسکراتے ہوئے ''یس'' دبایا۔ اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا۔

''پاس ورڈ داخل کریں۔''

''اوہ نہیں یار....'' اس نے بے بسی سے مڑ کر دیکھا جہاں وہ لوگ ابھی تک کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ اسے کیوں خیال نہیں آیا کہ ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ پاس ورڈ ہو سکتا ہے۔

وہ جلدی سے سب سمیٹ کر اٹھا اور سر جھکائے ان کے قریب سے گزرا اور سیکریٹری سے ٹکرا گیا اور خفیف سا سوری کہتا آگے بڑھ گیا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر دور تک سوچتی نگاہوں سے اس کا تعاقب کیا۔

''چلی گئیں؟'' فارس کی آواز پہ سعدی چونکا۔ اس کے سامنے فارس کھڑا تھا۔

''ہوں!'' اس نے کارڈ بڑھایا' جیسے پھپھو کے آنے کا مقصد بیان کیا ہو۔ فارس نے سرسری سا دیکھا اور پھر گول میز تک آ گیا۔ حنین' اسامہ سب واپس آ گئے۔ ذرا سی ہلچل کے بعد زندگی جیسے پھر نارمل روٹین پہ آ گئی تھی۔

❖❖❖

اب نہ فرصت ہے نہ احساس ہے غم سے اپنے

آسمان پہ سیاہی پھیل رہی تھی۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ فائلز پھیلائے بیٹھی تھی۔ ہلکی سی آہٹ نے اسے سر اٹھانے پہ مجبور کیا۔ ابا وہیل چیئر گھسیٹتے اندر آ رہے تھے۔ وہ بے اختیار کھڑی ہو گئی۔

''آپ کے بلانے پہ نہ آتی جو آپ خود آ گئے؟'' رسان سے شکوہ کر کے وہ وہیل چیئر پیچھے سے تھامے سامنے لائی' اور پھر خود مقابل صوفے پہ پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ بڑے ابا منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا اس نے کھانا نہیں پوچھا جو شام میں تم نے واپس آ کر کھایا؟''

''میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں کھا کر آؤں گی۔ کھانا میٹر نہیں کرتا۔'' گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اس نے جواب دیا۔

''کیا وہ خوش تھا؟''

''آپ کو دن میں دو دفعہ تو فون کرتا ہی ہے' پوچھ لیجیے گا۔''

پھر دونوں کے بیچ کھڑکی کے باہر پھیلی رات جیسی خاموشی چھا گئی۔ ابا فکرمندی و تاسف سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''پھر بات آپ نے شروع کرنی ہے یا میں نے؟ اور اگر آپ نے کی تو کتنے فقروں کی تمہید باندھیں گے؟'' اس نے اطمینان سے پوچھا۔

''زمر.... شادی کر لو۔'' وہ آزردہ سے بولے۔

''آج آپ نے تمہید ہی نہیں باندھی۔'' اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا۔

''کب تک اس ٹوٹے رشتے کا سوگ مناؤ گی میری بچی! میری موت آسان کر دو' اب بس کر دو۔''

''آپ جانتے ہیں میں جذباتی بلیک میلنگ میں نہیں آیا کرتی۔ جب مجھے کرنا ہوگی' میں بتا دوں گی۔ ویسے بھی اب میں بوڑھی ہو رہی ہوں۔ کون کرے گا مجھ سے شادی؟''

''دو چار سال میں واقعی بوڑھی لگنے لگو گی۔ میں اس تکلیف کے ساتھ نہیں مرنا چاہتا۔''

''او کے ابا' صاف بات کرتے ہیں۔'' اس نے کشن پرے رکھا' پیر نیچے کیے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور گہری سانس لی۔ وہ واپس ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے روپ میں چلی گئی تھی۔

''آپ میری شادی کسی بھی ایکس وائی زیڈ سے کرا دیں' میں کر لوں گی۔ پھر چند دن میں مزید بددل ہو جاؤں گی۔ زیادہ بیزار اور تلخ۔ وہ مجھ سے توقعات باندھے گا جو میں پوری نہیں کروں گی۔ میں ایسی ہی رہوں گی۔ وہ شروع میں برداشت کرے گا' کہے گا ماضی بھلا دو۔ میں کہوں گی شادی جب کی' تب بھی اس اس فیز سے نہیں نکلی تھی' ابھی وقت لگے گا۔ وہ صبر کر لے گا۔ مگر پھر جلد ہی صبر کھو دے گا۔ غصہ کرے گا' ہاتھ اٹھائے گا' نفرت کرے گا' تین ماہ میں گھر سے نکال دے گا' اور میں یہیں آ کر بیٹھی ہوں گی۔ اب بتائیں آپ کے لیے کیا زیادہ تکلیف دہ ہوگا؟''

ابا نے دکھ سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم اپنی شادی کو کامیاب بنانے کی کوئی کوشش نہیں کرو گی؟''

''اس فیز سے نکلی ہی نہیں تو کیسے کروں گی؟''

''کب نکلو گی اس فیز سے؟''

''آپ مجھے جانتے ہیں۔ جب میرے اوپر کچھ طاری ہو جائے تو میرے لیے اس کو جھٹکنا ناممکن ہوتا ہے۔ میں اسی کو اپنی زندگی بنا لیتی ہوں۔ اور جب آخری دفعہ ہم نے یہی بحث کی تھی تو دو دن تک ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔ اس دفعہ کتنے دن کا ارادہ ہے؟''

ابا نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مگر تم کوشش تو کرو گی نا اس فیز سے نکلنے کی؟''

''میں چار سال سے کوشش کر رہی ہوں۔ میں بہت ٹراما سے گزری ہوں۔ میرے گردے ضائع ہو گئے' تیار شادی کینسل ہو گئی' وہ حماد مجھے چھوڑ کر چلا گیا' بیماری کے عالم میں' وہ وقت بہت برا تھا ابا! میں آگے بڑھ نہیں سکتی جب تک اس وقت کو بھلا نہ دوں۔ مجھے کچھ ٹائم دیں۔''

وہ سر ہلاتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔ زمر دکھ سے ان کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی مگر وہ خود بھی بے بس تھی۔

.....❖❖❖.....

رات کا سیاہ پردہ سارے گناہ سارے عیب ڈھانپ چکا تھا۔ ایسے میں کاردارز کے اونچے گھر کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ جواہرات باریک ہیل سے تیز تیز چلتی ڈائننگ ہال میں آئی تو قطار میں کھڑے ملازم جیسے اسی کے منتظر تھے۔

فیونا نے آنکھ سے ایک سر جھکائے کھڑی فلپائینی ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔ جواہرات مسکراتی ہوئی اس کے قریب گئی تو اس فلپائینی میری اینجیو نے سر اٹھایا۔ پھر ندامت سے جھکا لیا۔

''کیا تم اس جوہری سے میرا نیکلس لے آئی ہو جس کو تم نے وہ بیچا تھا؟'' سرد سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پوچھا۔

میری نے سرخ متورم آنکھیں اٹھائیں۔ ''یس میم!'' اور ڈبہ آگے کیا۔ پھر کھولا۔

جواہرات نے دو انگلیوں پہ وہ نیکلس اٹھا کر دیکھا۔ ہیروں کا نازک نیکلس ویسا ہی تھا۔

''اور تمہاری چوری کا علم ہونے پر میں نے تم سے کیا کہا تھا؟'' وہ انگلیوں میں مسل کر نیکلس کو دیکھ رہی تھی۔

''یہی میم.... کہ اگر میں نیکلس واپس لا دوں تو آپ میری ایجنسی کو نہیں بتائیں گی اور میں باعزت طریقے سے اپنے ملک واپس جا سکوں گی۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

جواہرات نے شیرنی جیسی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تو پھر خوش ہو جاؤ۔ کیونکہ میں تمہاری ایجنسی کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکی ہوں۔ کل تمہیں یہاں سے ڈی پورٹ کر دیا جائے گا اور تم دوبارہ زندگی بھر یہ نوکری نہیں کر سکو گی۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی اہمیت یہ تھی۔'' کہتے ہوئے جواہرات نے نیکلس اچھال دیا۔ وہ اڑ کر ایک مصنوعی پودے کے گملے میں جا گرا۔

''وفاداری سے بڑھ کر کسی چیز کی اہمیت نہیں ہوتی میری! اب تم جا سکتی ہو۔''

اس نے تمکنت سے فیونا کو اشارہ کیا۔ جو شاکڈ اور صدمے سے چور میری کو وہاں سے لے جانے لگی۔

کسی ملازم میں ہمت نہیں تھی کہ گملے میں کرے نیکلس کو دیکھ بھی لیتا۔ جواہرات اسی طرح چلتی ہوئی ہال کراس کر کے لاؤنج میں آئی اور چہرے پہ معصوم معذرت خواہانہ مسکراہٹ سجائے فارس کو مخاطب کیا جو ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر بہت اچھا لگا فارس.... تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ اس کی طرف پلٹا تو جواہرات نے اس کے کندھوں کو تھام کر کسی بچے کی طرح اسے اپنے سامنے کیا۔

''اوہ.... تم کتنے کمزور ہو گئے ہو۔ اپنی رنگت تو دیکھو۔''

وہ جو بے نیازی سے اسے دیکھ رہا تھا' ذرا سا سر جھٹکا۔ ''ٹھیک ہوں۔ میرے پورشن کی چابی....''

''آف کورس۔ وہ میرے پاس ہے۔ میں اس کی صفائی کرواتی رہی ہوں۔ مگر تم دیکھ رہے ہو پارٹی قریب ہے اور سارا اسٹاف مصروف ہے۔ مجھے جیسے ہی تمہاری آمد کا پتا چلا' میں نے گیسٹ روم سیٹ کروا دیا۔''

''آنٹی.... میں اپنے گھر میں جانا چاہتا ہوں۔'' اس نے جیسے بیزاری کو ظاہر نہ کرتے ہوئے کہا۔ جواہرات مسکرا کر اس کو بازو سے تھامے آگے بڑھنے لگی۔ وہ خاموشی سے ساتھ چلتا آیا۔

''کیا تم مجھے صرف ایک ہفتے کے لیے اپنی مہمان داری کا حق بھی نہیں دو گے؟ تم جانتے ہو تمہاری رہائی کے لیے میں نے اور ہاشم نے بہت کوشش کی۔ مگر میری جان! ہم کیا کرتے۔ یہ عدالتی نظام بہت خراب ہے۔ آئی ہوپ تم ہم سے خفا نہیں ہو گے۔''

''نہیں.... ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ رواداری میں آ کر رکا۔ جواہرات نے مسکراتے ہوئے فیونا کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً دروازہ کھولا۔ اندر سجا سجایا کمرہ تیار تھا۔

''پارٹی کے بعد تمہارا پورشن تیار کروا دوں گی۔ اب تم آرام کرو' ہوں۔'' مسکرا کر کہتی وہ وہیں کھڑی رہی۔ فارس خاموشی سے اندر

چلا گیا۔ وہ شاید خود بھی اپنے گھر سے بچنا چاہتا تھا۔ دروازہ بند کر دیا۔ جواہرات کی مسکراہٹ سمٹی۔ آنکھوں میں اضطراب ابھرا اور کڑھن۔ وہ پلٹی تو بیرونی دروازے سے ہاشم آ رہا تھا۔ پیچھے ایک سوٹ میں ملبوس ملازم بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔

جواہرات تازگی سے مسکرا کر تیزی سے اس تک آئی۔ ہاشم نے دروازہ بند ہونے سے قبل فارس کو دیکھ لیا تھا۔ تبھی تاثرات برہم ہوئے۔ ماں کے قریب آ کر دبی دبی سی آواز میں غرایا۔

''یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟''

''مجھے اسے پارٹی میں دیکھنا ہے اور تب تک اسے یہاں روک کر رکھنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے۔'' پھر مسکرا کر ہاشم کا شانہ تھپکا۔ ''اور مجھے اس کے یہاں ہونے سے کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں ہاشم سنبھال لے گا۔'' مگر ہاشم کو تسلی نہیں ہوئی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

''بابا....'' سیڑھیاں بھاگ کر اترتی فراک میں ملبوس چھوٹی سی بچی ادھر آ رہی تھی۔ کوٹ کے بٹن کھولتا ہاشم بے اختیار مڑا۔ آنکھوں میں بے پناہ پیار امڈ آیا۔ وہ جھکا اور دوڑتی ہوئی بچی کو اٹھا لیا۔

''بابا کی جان.... کب آئی ہو؟'' باری باری اس کے گال چومتا وہ پوچھ رہا تھا۔ جواہرات نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

❖❖❖

تلخیٔ کام و دہن کب سے عذاب جان ہے

رات ذرا گہری ہوئی تو اس چھوٹی سی مارکیٹ کی دکانیں بند ہونے لگیں۔ اب فقط چند بتیاں روشن تھیں۔ دور ایک درخت کی اوٹ میں چھوٹی سی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈیش بورڈ پہ ایک خاکی پھولا ہوا لفافہ رکھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سعدی نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور پھر پیچھے دیکھا۔ ارد گرد کوئی نہیں تھا۔

تب ہی اس کا موبائل بجا۔ اس نے اسے سامنے کیا تو نیلی روشنی چہرے پہ پڑنے لگی۔ ''بلاکڈ نمبر کالنگ'' لکھا آ رہا تھا۔

سعدی نے اٹھا کر احتیاط سے ہیلو کہا۔ پھر دوسری جانب سے آواز سن کر جیسے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ ''جی باس.... کیسی رہی کانفرنس؟''

''تم نے ایک بہت اچھی چیز مس کی ہے۔ اس سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا تمہارے لیے۔'' فون میں سے ہلکی سی نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سعدی کا چہرہ تاریکی میں نیم واضح تھا۔ اس نے زخمی سا مسکراتے پھر پیچھے دیکھا۔

''کچھ بہت اہم تھا یہاں۔ خیر.... کانفرنس کا سنائیں۔''

''تم جانتے ہو آدھا وقت تو ان کو یہ واضح کرنے میں گزر جاتا ہے کہ ٹھیک ہے ہمارا کوئلہ اینتھر اسائٹ نہیں ہے' مگر ہم کہہ بھی نہیں رہے کہ وہ اینتھر اسائٹ ہے۔ میں مان رہی ہوں کہ وہ لگنائٹ ہے اور ہمارے علاقے میں صدیوں سے دبے fossils اس سے بہتر کوئلے میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔ ویسے بھی.... اور اگر....'' وہ روانی سے بولتے ہوئے رکی۔ ''پتا ہے سعدی! آج مجھ سے کسی نے وارث کے کیس کے بارے میں پوچھا۔ اس کا کیا بنا؟ فارس کو سزا ہو گئی؟ میں نے تو اتنے عرصے سے تم سے پوچھا ہی نہیں۔''

''آپ اتنی بہادر نہیں ہیں کہ اس کیس کو فالو اپ کریں۔ سو مجھ پہ چھوڑ دیں۔''

''مگر....''

''جو بھی بنا ہو گا کیس کا' میں خود دیکھ لوں گا خالہ! میں نے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا کہ ماموں کو مارنے کے بعد ان کے لیپ ٹاپ

اور فائلز کو جس نے بھی چرایا تھا' میں وہ آپ کو واپس لا دوں گا۔ بس میں اس بندے کے لیپ ٹاپ تک پہنچ جاؤں ایک دفعہ' پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ ماموں کو کیوں قتل کیا گیا۔''

''کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ایک الزام نے فارس غازی کی زندگی کے چار سال لے لیے۔ میں بنا ثبوت کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہتا۔ ثبوت کے بعد بتاؤں گا۔''

''اتنے سال ہو گئے سعدی! کیوں پڑے ہو اس کیس کے پیچھے؟ ختم کرو۔ اللہ کے حوالے کر کے چھوڑ دو۔''

''اونہوں.... کیسے چھوڑ دوں؟ میرے خاندان کے دو لوگ مارے گئے۔ میری پھپھو کی زندگی برباد ہو گئی۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو قتل کو معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ اور میرے خاندان کے باقی لوگوں کی زندگی قصاص میں ہی ہے۔ میں تو برابر کا بدلہ لوں گا۔ جس نے یہ کیا ہے وہ جان سے جائے گا۔ بس....! اچھا مجھے جانا ہے' بائے۔''

ایک دم سے اس نے فون بند کیا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک فربہی مائل' ادھیڑ عمر شخص اندر بیٹھ رہا تھا۔ سعدی خاموشی اور سنجیدگی سے سامنے دیکھنے لگا۔ اس شخص نے تلخی سے سعدی کو دیکھا۔

''میں نے اسے بری کر دیا ہے۔ اب وہ دو جوتم نے دینا تھا۔''

سعدی نے خاموشی سے ڈیش بورڈ سے خاکی لفافہ اٹھا کر انہیں تھمایا۔ جسٹس سکندر نے اندر جھانکا۔ چہرے پہ مزید کڑواہٹ پھیلی۔ کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ ''میرے بارے میں اگر یہ گند.... باہر نکالا تو....'' غم و غصے سے آواز کانپنے لگی۔ سعدی نے گردن موڑ کر ان کو دیکھا۔

''اگر آپ مجھے جانتے ہوتے تو اندازہ لگا لیتے کہ میں ایک شخص کی زندگی بچانے کے لیے آپ کے خاندان کے پانچ افراد کی زندگی برباد نہیں کروں گا۔ میں اس حد تک بھی نہ جاتا اگر آپ میری بات سن لیتے۔ میں آیا تھا آپ کے پاس جسٹس صاحب۔ میں نے آپ کی منت کی تھی کہ فارس غازی بے قصور ہے۔ مگر آپ نے میری نہیں سنی تھی۔ ہاشم کا پیسہ ہر جگہ بول رہا تھا۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ سوری....!'' کندھے اچکا کر بے نیازی سے سوری کہا۔

''بکواس مت کرو۔ مجھے بتاؤ تمہارے پاس اس کی کوئی کاپی ہے یا نہیں؟''

''ہو سکتا ہے میرے پاس کاپی ہو۔ کیونکہ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ فارس غازی کو دوبارہ اس کیس میں پھنسایا جائے۔ آپ اپنے اینڈ پہ خیال رکھیے گا۔ میں اپنے اینڈ پہ رکھوں گا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔''

وہ تو جیسے رکنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ سر پہ ٹوپی اور گردن کا مفلر درست کیا تاکہ شناخت نہ ہو پائے اور باہر نکل گئے۔ سعدی نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور کار اسٹارٹ کر دی۔

.....❖❖❖.....

قصرِ کاردار پہ رات کی تاریکی سیاہ بادلوں کی طرح اتری ہوئی تھی جو گہرے پراسرار رازوں سے لدے ہوں۔ ایسے جیسے بس ابھی برسنے کو تیار ہوں۔ اور نہ برسیں تب بھی ان کی خوفناک گرج دور دور تک سنائی دیتی ہو۔ ایسے میں فارس غازی سبزہ زار پہ اپنی انیکسی کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ جگہ ہاشم کے کمرے کی عقبی بالکونی سے صاف دکھائی دیتی تھی۔ دو منزلہ انیکسی جو بالکل خاموش ویران سی کھڑی تھی۔ باہر سے ہر سال پینٹ ہوتی تھی۔ خوشنما اور نئی سی لگتی تھی۔ مگر اندر سے بنجر ہو چکی ہو گی وہ جانتا تھا۔

چابی اس کے پاس نہیں تھی۔ اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ قدم قدم چلتا برآمدے میں آیا۔ داخلی دروازے پہ رکا۔ مڑ کر ایک نظر خاموش اور اندھیر سبزہ زار پہ ڈالی۔ کاردار زاس وقت گھر پہ نہ تھے۔ اور جو تھے وہ سو رہے تھے۔ وہ واپس گھوما اور جھک کر پنجوں کے بل زمین پہ

بیٹھا۔ جیب سے ہاتھ باہر نکالا تو اس میں پتلی سی تار تھی۔ اس نے تار لاک کے اندر ڈالی اور اسے مختلف زاویوں پہ گھماتا رہا۔ ون ٹو تھری فور فائیو سکس... کلک... آواز سی آئی اور لاک کھل گیا۔ وہ تار جیب میں ڈال کر اٹھا اور دروازہ کھولا۔

انیکسی اندھیر پڑی تھی۔ فارس اندر آیا۔ اس نے کوئی بتی نہیں جلائی۔ قدم قدم چلتا آگے آتا گیا۔ در و دیوار میلے سے لگتے تھے۔ ویران اور مکڑی کے جالوں سے پر۔ صوفوں پہ چادریں پڑی تھیں۔ فضا میں گرد کی دبیز تہہ تھی۔ وہ اندھیرے میں وہیں کھڑا رہا۔ یونہی گردن موڑ کر ویران نظروں سے بیرونی برآمدے کو دیکھنے لگا جو کھلے دروازے کے باعث نظر آ رہا تھا۔

''فارس غازی آپ کو دہرے قتل کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔'' یہیں اسی برآمدے میں کھڑے انہوں نے اسے ہتھکڑی لگائی تھی۔ اس نے گردن موڑی۔ یہیں اسی گھر میں وہ ہنس مکھ سی لڑکی بھاگتی نظر آتی تھی۔ زرتاشہ۔ اور یہیں اس گھر میں وہ اس رات ٹہلتا رہا تھا بے چینی میں' کرب سے' جب وارث غازی کو مارا گیا تھا۔ تب ادھر... اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ادھر قصر میں ایک تقریب جاری تھی۔ روشنیاں قمقمے رات کو منور کیے ہوئے تھے.... وہ تکلیف دہ یادیں تھیں۔ فارس نے سر جھٹکا۔ جیسے بہت کچھ ذہن سے بھی جھٹکا ہو۔ اور پھر تیزی سے باہر نکل آیا۔ دروازہ زور سے بند کیا۔ لاک کلک ہو کر خود بخود مقفل ہو گیا۔ وہ اب لمبے لمبے ڈگ بھرتا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

نشتر چبھے ہوئے تھے رگ جاں کے آس پاس

صبح جب سورج کی روشنی بادلوں کے کناروں کو سرخ اور جامنی رنگ میں دہکا رہی تھی تو شہر کے کاروباری علاقے میں اس نے سیاہ پینٹ پہ بٹنوں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال بہت چھوٹے کٹوا لیے تھے۔ فوجیوں کی طرح۔ گویا استرا پھیرنے کے دو چار دن بعد کے انچ بھر بال ہوں۔ دو ہفتے قبل رہا ہونے والے فارس سے وہ بہتر لگ رہا تھا۔

دھات کا ڈیبیکٹر داخلے کے سامنے کھڑا تھا۔ لوگ اس میں سے گزر کر اندر جا رہے تھے۔ وہ سائیڈ سے نکل کر چلا گیا تو گارڈز چونکے۔ کسی نے اسے آواز دی۔ فارس سنے بغیر ریسیپشن پہ لمحے بھر کو رکا۔

''ہاشم کاردار کا آفس؟'' ابرو اٹھا کر اکھڑے انداز میں پوچھا۔

''پانچویں فلور پہ.... مگر آپ....'' ریسیپشنسٹ کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ گارڈز بے اختیار پیچھے آئے۔ لفٹ میں داخل ہو کر اس نے ان کے آنے سے پہلے بٹن دبا کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ گارڈ گھبرا کر وائرلیس پہ اطلاع دینے لگا۔

پانچویں فلور پہ جب لفٹ کا دروازہ کھلا تو وائرلیس پکڑے ایک گارڈ اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ فارس نظر انداز کر کے راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ اسے غالباً آفس یاد تھا۔ فلور ذہن سے نکل گیا تھا۔

''ہاشم اندر ہے؟'' سیکرٹری سے بس سرسری سا پوچھا۔ وہ ''جی'' کہتی حیران سی اٹھی۔ گارڈ دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ''سر.... مسٹر کاردار مصروف ہیں۔ آپ اندر نہیں جا سکتے۔'' وہ دروازے کی طرف آیا تو گارڈ سامنے آ گیا۔

''سر.... آپ یوں اندر نہیں جا سکتے۔ آپ نے نیچے سیکورٹی کو....''

''میرے منہ نہ لگو!'' تیوری چڑھائے فارس نے ہاتھ سے اس کے کندھے کو پیچھے دھکیلا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ گارڈ حواس باختہ سا پیچھے بھاگا۔

اندر ہاشم اپنی سیٹ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا سامنے موجود دو افراد سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس اچانک افتاد پہ سر اٹھا کر دیکھا۔ فارس سے گارڈ تک نظروں نے سفر کیا۔

''ان کو بھیجو۔ مجھے بات کرنی ہے۔''

فارس نے تیسری کرسی کھینچی اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ ہاشم کے لب بھینچ گئے۔ آنکھوں میں ابھرتی ناگواری کو اس نے ضبط کر لیا۔

''سر! میں ان کو منع کر رہا تھا مگر یہ....''

''ہاں۔ ٹھیک ہے۔ میں نے ہی بلایا ہے۔'' تازہ دم ہو کر مسکراتے ہاشم نے ان کو جانے کا اشارہ کیا۔

وہ نکلے تو ہاشم پیچھے ہو کر بیٹھا اور خاموشی سے فارس کو دیکھا۔

''کیوں بلایا ہے؟'' اس نے ابرو اٹھا کر اکھڑے اکھڑے انداز سے پوچھا۔

ہاشم اٹھا اور دیوار تک گیا۔ وسط دیوار میں ایک پینٹنگ لگی تھی۔ ہاشم نے پینٹنگ کو سلائیڈنگ ڈور کی طرح دائیں طرف سلائیڈ کیا۔ اندر دیوار میں نصب سیف تھا۔ اس نے کچھ نمبرز ڈائل کر کے سیف کھولا۔ اس کی پشت اب فارس کے سامنے تھی اور وہ پاس ورڈ یا اندر سے سیف نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ہاشم سیف بند کر کے پلٹا اور میز پہ کچھ ڈاکومنٹس اور ایک پلاسٹک بیگ رکھا۔ شفاف بیگ کے اندر زیورات دکھائی دے رہے تھے۔

''تمہاری امانت.... تمہارے گرفتار ہونے کے بعد پولیس بار بار گھر آتی رہی تھی۔ اس لیے ممی نے پہلے ہی تمہاری تمام قیمتی اشیاء وہاں سے نکال لی تھیں۔ چیک کر لو۔'' واپس بیٹھتے ہوئے اس نے دوستانہ مگر محتاط انداز میں کہا۔ فارس نے بس ایک نظر اس سب کو دیکھا اور پھر ابرو تان کر ہاشم کو۔

''ٹھیک.... اور کچھ؟''

''تمہاری رہائی کے لیے میں نے بہت کوشش کی تھی۔ جسٹس سکندر کو بہت فیورز دیے ہیں اور اب جبکہ میں اس سے مایوس ہو چکا تھا' اس نے تمہیں رہا کر ہی دیا۔ بہر حال.... تم اب باہر ہو۔ نئی زندگی شروع کرنے....''

''تمہید کاٹو اور مطلب کی بات پہ آؤ۔'' فارس نے اس کی بات بیزاری سے کاٹی۔ ہاشم نے گہری سانس باہر کو خارج کی اور ذرا سے شانے اچکائے۔

''تمہیں جاب چاہیے ہوگی اور میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھی پوسٹ ہے۔''

''نہیں چاہیے.... اور کچھ؟'' وہ کھڑا ہوا اور اپنی چیزیں اکٹھی کیں۔ ہاشم نے سر اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

''مجھے کزنز ہیں یار.... تمہاری پرابلم میری بھی پرابلم ہے۔''

''مگر میری بیوی تمہاری بیوی نہیں تھی۔'' فارس کی آواز بلند ہوئی' آنکھوں میں غصہ اترا' کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ ''تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں کس طرح تم اس کو میرے خلاف اکسایا کرتے تھے۔''

''اوہ خدا...'' ہاشم نے جھکے ہوئے.... انداز میں سر جھٹکا۔ ''تم اپنی اس غلط فہمی کو دور کیوں نہیں کر لیتے ایک دفعہ.... وہ میری بہن کی طرح تھی۔ اس بات پہ تم مجھ سے کوئی مقدس صحیفہ اٹھوانا چاہتے ہو تو اٹھوالو۔ میں ایک ایماندار آدمی ہوں۔''

فارس شک وشبہ سے آنکھیں سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے اس رویے کے باوجود میں نے تم پہ شک نہیں کیا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ تم نے وہ قتل کیے ہوں گے۔ مجھے تمہاری بیگناہی پہ یقین تھا۔ مگر تمہیں مجھ پہ یقین نہیں ہے۔'' وہ ہرٹ نظر آ رہا تھا۔

فارس کے تاثرات دھیمے پڑے۔ مگر وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔ ہاشم اب اٹھا۔ دونوں کے درمیان میز حائل تھی۔

''اور مجھے تمہاری فکر ہے۔ کیا کرنا چاہو گے اب؟''

''جس کے خاندان کے دو فرد مار دیے گئے ہوں' اسے کیا کرنا چاہیے؟ سوائے ہر ذمہ دار شخص کا گریبان پکڑنے کے؟''

کمرے میں جیسے کاربن مونو آکسائیڈ بھر گئی تھی۔ ہاشم کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھ سے اچھا وکیل تمہیں نہیں ملے گا جو اس کیس کو دوبارہ سے زندہ کر کے اصل قاتلوں کو سامنے لائے۔ اس لیے جاب نہیں کرنی یہاں' مت کرو۔ مگر جب اور جیسے تمہیں کچھ معلوم ہو' تم سب سے پہلے مجھے آ کر بتاؤ گے۔ رائٹ؟!''

ہاشم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ فارس اکھڑا اکھڑا سا دیکھتا رہا۔ پھر متذبذب سا ہاتھ ملا لیا۔ ہاشم مسکرا دیا۔

فارس باہر نکلا تو جواہرات چوکھٹ پہ دکھائی دی۔ اس کے چہرے پہ اضطراب تھا۔ تیزی سے ہاشم تک آتے اس نے پوچھا۔

''یہ کیوں آیا تھا؟'' ساتھ ہی دروازہ بند کیا۔ ''جب بھی اس کو آزاد دیکھتی ہوں تو مجھے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑی نظر آتی ہے۔''

ہاشم نے اس کی فکر و پریشانی کو صاف نظر انداز کیا۔

''میں نے بلایا تھا۔ جاب آفر کی مگر نہیں مانا۔''

''جاب کیوں؟ اچھا۔ تاکہ وہ مصروف رہ کر کسی بھی انتقامی کارروائی سے باز رہے؟''

ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ جواہرات نے ٹھنڈی سانس اندر اتاری۔

''اسے تم پہ شک تو نہیں ہے نا؟'' اس کے خدشے بڑھتے جا رہے تھے۔

''اگر ہوتا تو اس طرح آرام سے نہ چلا جاتا۔ وہ ہاتھوں سے بات کرنے کا عادی ہے۔ اور اداکار تو بالکل نہیں ہے۔'' اس کا فون پھر بجا تو اس نے جھنجھلا کر کال ریسیو کی۔

''جی.....جی.....سر میں آپ کے آفس پہنچ گیا ہوں۔ بس لفٹ میں ہوں۔ آ رہا ہوں۔'' بہت سرعت سے جھوٹ بول کر کال کاٹی۔ پھر بریف کیس میں ضروری چیزیں ڈالنے لگا۔ ''کام سے جا رہا ہوں۔ شام کو ملتے ہیں۔''

''ہوں.....!'' جواہرات بدقت مسکرائی۔

❖❖❖

وہ اس نفاست اور خوبصورتی سے آراستہ بنگلے کا اسٹڈی روم تھا جہاں وہ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی کام کر رہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور سبز آنکھیں سکیڑے لبوں سے بال پین کا کنارہ دبائے وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ پھر سر جھکا کر فائل پہ کچھ لکھنے لگی۔ دفعتاً اس نے کھڑکی پہ نگاہ دوڑائی تو رک گئی۔ دو جڑواں بچیاں اپنے ہم عمر دو تین بچوں کے ہمراہ باہر جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

سارہ پین چھوڑ کر بے اختیار باہر لپکی۔ لاؤنج میں زرینہ بیگم بیٹھی سلائیوں پہ کچھ بن رہی تھیں۔ گاہے بگاہے چلتے ٹی وی پہ بھی نظر ڈال لیتیں۔ ''سارہ یہ ترک ڈرامے دیکھ دیکھ کر ہم کچھ بے حیا نہیں ہوتے جا رہے؟'' انہوں نے تائید چاہی۔ مگر وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔

''امی.....آپ نے بچیوں کو پھر پارک بھیج دیا۔ میں نے منع کیا تھا نا۔'' بھنویں سکیڑے وہ بے بسی سے کہتی ان کے سر پہ کھڑی تھی۔ زرینہ بیگم نے خفگی سے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔

''بس کرو بی بی.....تم تو ایسے پریشان ہو رہی ہو جیسے اکیلا بھیج دیا ہو۔ آس پاس کے بچے بھی تھے اور کرنل خورشید کی ملازمہ بھی۔ ابھی گھنٹے بھر میں آ جائیں گی۔''

''آپ بھی نا کمال کرتی ہیں۔'' وہ ناراضی سے کہتی ان کے ساتھ بیٹھی' مگر نشست کے بالکل کنارے پہ۔ ''پتا ہے نا امی! حالات کتنے خراب ہیں' پھر بھی ان کو باہر بھیج دیتی ہیں۔''

''اچھا تمہاری بیٹیاں ہیں تو میری نواسیاں بھی ہیں۔ دشمن نہیں ہوں میں ان کی۔ گھر میں قید کر کے رکھوں تو بزدل اور ڈری سہمی سی بن جائیں گی۔ بالکل تمہاری طرح۔'' انہوں نے اسے ذرا خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی سلائی جاری رکھی۔

''میں نہیں ہوں بزدل۔ وہ سعدی بھی ہر وقت یہی کہتا رہتا ہے۔'' وہ خفا بھی تھی اور پریشان بھی۔ ''وارث کی موت بھول گئی آپ کو؟ کیسے ان کو مار دیا گیا تھا۔ جب کسی خاندان میں کوئی قتل ہو جائے تو خاندان والے پہلے جیسے نہیں رہتے' رہ ہی نہیں سکتے۔''

''سچ.... تم نے بتایا ہی نہیں فارس کے رہا ہونے کا۔ مجھے عزیز بھائی کی بیوی نے بتایا۔'' وہ سلائی روک کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اس کی ساری باتیں نظر انداز کر دیں۔ سارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''فارس... وہ تو رہا نہیں ہوا... وہ.... کیا مطلب؟''

''تمہیں نہیں پتا؟'' وہ الٹا حیران ہوئیں۔ ''جب تم لندن میں تھیں' تب ہی تو رہا ہوا تھا۔''

''سعدی کو بھی پتا نہیں ہوگا پھر تو۔ ورنہ وہ ذکر تو کرتا۔'' وہ حیران سی بیٹھی تھی۔

''لو.... وہی تو اسے لینے گیا تھا۔ اسے کب کسی بات کا نہیں پتا ہوتا؟''

''مگر.... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اچانک سے؟'' وہ الجھ سی گئی۔ ''اور سعدی نے بھی نہیں بتایا۔'' پھر چونک کر ماں کو دیکھا۔ ''اور کیا بتایا آنٹی نے؟''

''یہی کہ اپنے ماموں کے گھر رہ رہا ہے۔ جواہرات کے پاس۔ اپنا گھر نہیں کھولا۔ اور ندرت کے پاس بھی نہیں رہ رہا۔ مگر اچھا ہی ہوا۔ مجھے تو کبھی بھی وہ قصوروار نہیں لگا تھا۔ شکر کہ بچے کی جان بچ گئی۔'' انہوں نے پھر سے سلائیاں اٹھا لیں۔

''ہوں.... سعدی بھی یہی کہتا تھا۔ فارس ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ مگر ایک ہفتہ ہو گیا اور مجھے پتا ہی نہیں۔'' وہ اچنبھے میں تھی۔ پھر بے اختیار گھڑی دیکھی اور فون کی طرف بڑھی۔

''کس کو کرنے لگی ہو؟''

''کرنل خورشید کی میڈ کا نمبر ہے میرے پاس۔ اس کو کہتی ہوں کہ انہیں جلدی گھر لائے۔ پورے پندرہ منٹ ہو گئے ہیں۔''

فکرمندی سے کہتی وہ کارڈلیس اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ زرینہ بیگم ماتھا چھو کر بڑبڑائیں۔ سارہ کا کوئی علاج نہ تھا۔

رات جب ان کے بنگلے پہ اتر آئی تو دیواروں نے دیکھا' سارہ اپنے بیڈ میں لحاف تانے لیٹی تھی' اور اس کے دائیں بائیں دو ننھی پیاری سی بچیاں لیٹی تھیں۔ ایک چت ہو کر چھت کو تکے جا رہی تھی' دوسری ماں کے کانوں پہ پھسلتی لٹوں پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

''امل... نور... مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' سارہ نے چھت کو دیکھتے ہوئے گم صم سے انداز میں بات کا آغاز کیا۔

''کیا ہوا ماما؟''

''آپ لوگوں کو شاید یاد نہ ہو مگر آپ کے بابا کے ایک بھائی تھے۔'' رکی۔ ''ہیں۔'' گہری سانس لی۔ ''کچھ وجہ تھی وہ یہاں سے چلے گئے تھے' مطلب کہ ان کو جیل ہو گئی تھی' اس لیے...''

''مگر فارس چاچو تو رہا ہو گئے ہیں نا۔'' امل ایک دم بولی۔ سارہ دنگ رہ گئی۔

''تمہیں وہ... یاد ہیں؟''

''جی ماما۔'' امل نے الٹا اسے حیران ہو کر دیکھا۔ ''میں نے خود سنا ہے نانی بتا ہی تھیں فون پہ کسی کو کہ وہ اب باہر آ گئے ہیں۔ تو اب ہم ان سے ملنے کب جائیں گے؟''

''نہیں امل۔'' اس کے لہجے میں سختی آ گئی۔ ''ہم نے ان سے دور رہنا ہے۔ ان کے ساتھ مسئلے ہیں بہت۔ ان کے پیچھے برے لوگ

لگے ہیں۔ سو ہم ان کے قریب جائیں گے تو وہ برے لوگ ہمارے پیچھے بھی لگ جائیں گے۔ اس لیے اب ہم ان سے زیادہ قریب نہیں ہوں گے۔'' نور نے سر ہلا دیا۔ وہ ماں کے بالوں سے مسلسل کھیل رہی تھی۔ مگر امل نے اتنی ہی سمجھداری سے پوچھا۔

''او کے ماما لیکن ہم ان سے ملنے کب جائیں گے؟''

سارہ اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ ''میں نے کہا نا' ہم ان سے ملنے نہیں جائیں گے۔ بے شک وہ بہت اچھے ہیں لیکن ان کے ساتھ رہنے سے ہمیں بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے اب میں تم دونوں کے منہ سے ان کا ذکر نہ سنوں۔ او کے!'' درشتی سے کہہ کر وہ ذرا فکرمندی سے اب لیمپ بجھا رہی تھی۔ نور نے بتی بجھتے ہی فوراً سے آنکھیں بند کر لیں مگر امل کی آنکھیں پوری کھلی تھیں۔

❖❖❖

سینٹورس مال میں رنگوں اور روشنیوں کا سیلاب جگمگا رہا تھا۔ تیسرے فلور کے ایک بوتیک کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ وسط میں مخملیں صوفے بچھے تھے۔ کپڑوں کے ریکس کونوں میں تھے۔ وہیں ایک قد آور آئینے کے سامنے شہرین کھڑی تنقیدی نگاہوں سے اپنا پہنا ہوا گولڈن گاؤن دیکھ رہی تھی۔ جس کی ایک آستین نہیں تھی اور دوسری کلائی تک آتی تھی۔ اس نے دائیں اور بائیں دونوں طرف سے ترچھی ہو کر عکس دیکھا۔ سنہرے باب کٹ بالوں کو دو انگلیوں سے پیچھے کیا اور بیزاری سے منہ بنایا۔

''فال اتنی اچھی نہیں ہے جتنی میں نے کہی تھی۔''

قریب کھڑی لڑکی اسے جلدی جلدی وضاحت دینے لگی۔ جسے اس نے گویا سنا ہی نہیں۔ وہ خود کو ہر زاویے سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے عکس میں پیچھے صوفے پہ بیٹھی سونیا اور ساتھ مستعد کھڑی ملازمہ بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ سونیا بور سی ہو کر بار بار پاؤں قالین سے رگڑ رہی تھی۔

عکس میں دکان کا دروازہ بھی نظر آ رہا تھا اور وہ جو بگڑے موڈ سے مینجر کو کچھ کہنے لگی تھی' دروازے کو دیکھ کر بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر اس نے تھوک نگلا۔

چوکھٹ پہ سعدی کھڑا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

شہری نے مڑ کر صوفوں کی سمت دیکھا۔

''ثمینہ.... سونیا کو لے کر اوپر فوڈ کورٹ جاؤ۔ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔''

پھر مینجر سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''میں آپ سے ذرا ٹھہر کر بات کرتی ہوں۔'' وہ تو سر ہلا کر چلی گئی۔ البتہ ثمینہ نے بچی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پس و پیش کی تھی۔

''میم اوپر کس جگہ؟''

''ثمینہ!'' اس نے تیز نظروں سے گھورا تو وہ فوراً سونیا کی انگلی تھامے باہر نکل گئی۔

شہرین پھر سے آئینے میں دیکھتے ہوئے گاؤن کا فال والا گلا انگلیوں سے اِدھر اُدھر کرنے لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''تو آپ گولڈن پہن رہی ہیں۔ گڈ! میں بلیک پہن رہا ہوں۔''

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ مڑے بغیر آئینے میں اس کو دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔ سعدی نے مصنوعی حیرت سے شانے اچکائے۔

''یہ ایک مال ہے اور یہاں لوگ شاپنگ کرنے آتے ہیں۔''

''مجھے گھر سے فالو کر رہے تھے یا فون سے ٹریس کیا ہے؟''

''کیا آپ یہ نہیں مان سکتیں کہ ہم اتفاق سے ملے ہیں؟''

''ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔''

سعدی نے جواباً اثبات میں سر ہلایا۔

''او کے.... آپ کے فون سے ٹریس کیا ہے۔''

شہرین اس کی طرف پلٹی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''ہمیں اس طرح ایک ساتھ نہیں نظر آنا چاہیے۔''

''اسی لیے آپ نے ان کو بھیج دیا؟''

''وہ ہاشم کو بتا دے گی۔'' اس نے گویا جھڑک دیا۔

''اتنی ناقابل اعتبار ملازمہ؟'' وہ حیران ہوا۔

''وہ نہیں.... سونیا.... میری بیٹی.... وہ اپنے باپ کو ہر بات بتاتی ہے۔'' تلخی سے کہہ کر وہ کان میں پہنے سیاہ نگوں والے آویزے اتارنے لگی۔

''آپ اتنا ڈرتی ہیں ہاشم بھائی سے؟''

''سعدی!'' شہرین نے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔ ''میں اس سے نہیں ڈرتی۔ مگر وہ سونیا کو مجھ سے لے سکتا ہے اگر میں اس کے خلاف گئی۔ اور یو نو واٹ' تمہارے یہاں آنے کا مطلب ہے کہ تمہیں ہاشم کے خلاف میری مدد چاہیے اور میں ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والی۔''

''جب آپ نے مجھ سے مدد مانگی تھی تو میں نے بھی کیا ایسے ہی منع کیا تھا؟'' وہ اب بہت سنجیدہ تھا۔ شہری ایک ثانیہ کو خاموش رہ گئی۔

''وہ اور مسئلہ تھا۔'' اس کی آواز دھیمی پڑی۔ سعدی جواب دیے بنا اس کو دیکھتا رہا۔ وہ بھی اسے دیکھتی رہی' پھر سر جھٹکا۔

''کیا چاہیے؟''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور اندرونی جیب سے ٹیبلٹ نکال کر میز پہ رکھے شہرین کے پرس میں ڈال دیا۔ سب اتنی پھرتی سے کیا کہ وہ الجھی سی کھڑی رہ گئی۔

''میرا ٹیب آپ کل مجھے پارٹی میں واپس کر دیں گی۔ اتنا سا کام۔''

''مگر تم یہ خود بھی لے کر جا سکتے ہو پارٹی میں۔'' وہ حیران ہوئی۔

''سیکورٹی پروٹوکول سخت ہے۔ موبائلز وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔ مگر آپ تو فیملی ہیں نا۔''

''تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟''

''آپ دوسرا کام کرنے کی ہامی بھریں.... میں بتا دوں گا۔''

''اور کیا ہے وہ دوسرا کام؟'' اس نے بہت ضبط سے سینے پہ بازو لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ ہر صورت میں۔''

''تم.... اف....'' اس کا صبر جواب دینے لگا۔ ''تم پارٹی میں نہ ہی آؤ سعدی! تم ہم دونوں کو مشکل میں ڈالو گے۔''

''میں ایک ہفتے سے' جب سے ہاشم بھائی نے بالخصوص میرے لیے کارڈ بھجوایا تھا' اس پارٹی کی تیاری کر رہا ہوں۔ اور میں آپ پہ اعتبار کر رہا ہوں۔ آپ کو ہاشم بھائی سے اپنے تمام دکھوں اور اذیتوں کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو پھر آپ کو میرے ساتھ کھڑے ہونا ہوگا۔ چاہے آپ پسند کریں یا نہ کریں۔ آپ مجھے ہاشم بھائی کا پاس ورڈ لا کر دیں گی۔'' اس نے سنجیدگی اور مضبوطی سے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

شہرین کے تاثرات دھیمے پڑے۔ اس نے تذبذب' امید اور خدشات سے بھری آنکھوں سے سعدی کو دیکھا۔

''تم کیا کرنے جا رہے ہو؟''

وہ اداسی سے مسکرایا۔ ایک زخمی سی مسکراہٹ۔

''جو انہوں نے ہم سے چرایا تھا' میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔''

❖❖❖

باب2:

# فریب کار

اور ابلیس کا ساتھی مامون بھی تھا۔
جنت سے نکالے جانے والی ایک کمتر روح
کہ وہاں بھی اس کی نگاہ اور سوچ نیچے جھکی رہتی اور زیادہ سراہتی سونے کی بنی جنت کی روش کو۔
یہ منظر اسے کسی بھی دوسرے سے زیادہ مزا دیتا ہے۔
اسی نے سکھایا بنی نوع انسان کو
اپنے ناپاک ہاتھوں سے دھرتی ماں کے بطن کو کھود کر لوٹنا
ان خزانوں کو جو چھپے بہتر تھے
جلد ہی اس کی فوج نے جہنم کی پہاڑی میں ڈالا ایک وسیع چھید۔
اور کھود ڈالیں سونے کی پسلیاں
نہ ہو کوئی حیران اس بات پہ کہ سونا اگتا ہے اندھیر جہنم میں
کہ شاید مٹی ہی قابل ہے۔اس قیمتی بلا کے....
(ماخوذ از: ملٹن۔جنت گم شدہ)

حسن و عشق کا سوز تعلق سمتوں کا پابند نہیں ..... اکثر تو خود شمع کا شعلہ بڑھ کے گیا پروانے تک

ہاشم کاردار کی بیٹی سونیا کی سیاہ' سنہری سالگرہ آج یعنی ہفتے کی شام کو تھی۔شاید اسی لیے ہفتے کی صبح بھی چمکیلی سنہری طلوع ہوئی تھی۔

ذوالفقار یوسف کے گھر میں ناشتہ کا دھواں' ندرت کی ڈانٹ بھری تاکیدیں' حنین کی بھاگم بھاگ تیاری' سب ایک ساتھ چل رہا تھا۔سعدی آج صبح سویرے ریسٹورنٹ چلا گیا تھا۔

سیم اب یونیفارم میں تیار' گول میز کے گرد بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔حنین اپنے سیاہ کوٹ شوز پالش کر کے جب آئی تو توس کی پلیٹ کو دیکھ کر منہ بن گیا۔

''امی.... میں نے نہیں کھانا ڈھکن ٹوسٹ۔یہ موٹا آلو میرے لیے بریڈ کا پہلا اور آخری توس ہی بچاتا ہے ہمیشہ!'' وہ ماتھے کے بالوں پہ برش پھیرتی وہیں سے چلائی۔کچن سے ندرت کا ڈپٹا ہوا جواب فوراً آیا۔

''ہزار دفعہ کہا ہے کھانے کی چیزوں کے نام مت رکھا کرو۔''

اس نے منہ میں بڑبڑاتے ہوئے آگے ہو کر سیم کا آدھا پراٹھا توڑ لیا۔ خلاف معمول سیم نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ چپ چاپ کھا
رہا۔

وہ ناشتہ کر کے اٹھی تھی کہ سیم نے پکارا۔ ''حنہ!''

''حن...نا؟'' اس نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''تاریخ گواہ ہے کہ تم نے مجھے بغیر کام کے حنہ کبھی نہیں کہا۔''

''آج کا لنچ میری طرف سے ہے۔'' ہاتھ جھاڑتے اس نے مزید سنجیدگی سے اطلاع دی۔

حنین نے بیگ کندھے پہ ڈالا' فائل اٹھائی اور استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

''مجھے گیس کرنے دو کہ کیا منگوایا ہوگا تم نے' ہاں ہوں گے سموسے' ساتھ میں چرغہ اور آلو کے چپس۔'' اور جیسے ان سب اشیاء پ
لعنت بھیج کر وہ دروازے کی طرف بڑھی جہاں باہر وین والا ہارن دیے جا رہا تھا۔

''اسپرنگ رولز' بہاری کباب اور بیکڈ ہوئے آلو۔'' سیم نے عقب میں بڑے سکون سے کہا۔ حنین کے قدم زنجیر ہوئے' آنکھیں بے
یقینی سے پھیلیں۔ یکدم مڑی' کہنی سے دبوچ کر اسے سامنے کھڑا کیا۔

''پھر ساتھ میں ہوگی پودینے کی چٹنی؟'' اور مشکوک نظروں سے گھورا۔

''اونہوں۔ تمہاری فیورٹ مایونیز والی ساس!''

حنین کے لب بھرپور مسکراہٹ میں پھیل گئے۔ آنکھوں میں شرارت چمکی۔ بازو چھوڑا اور چلنے کا اشارہ کیا۔

''اب کام بتاؤ۔''

''رات ہاشم بھائی کی بیٹی کی سالگرہ میں مَیں نے بھی جانا ہے۔'' وہ دونوں ساتھ چلتے باہر آئے تو باغیچہ کراس کرتے ہوئے سیم نے
کہا۔

''سعدی بھائی نے کہا تھا کہ امی نہیں جا رہیں تو میں گھر میں رہوں۔''

''ہوں۔ تمہارے پاس بلیک سوٹ ہے؟''

''ہاں' وہی جو بھائی نے برتھ ڈے پہ دیا تھا۔''

''تو پھر اس کو دھوپ لگوا لو' ہوا لگوا لو اور استری کروا لو۔'' وہ گیٹ بند کر کے وین کی طرف بڑھتے ہوئے بڑے سکون سے بولی۔ سیم
نے خوشگوار بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''مگر تم بھائی کو کیسے مناؤ گی کٹو....سوری....حنہ!''

''سیم یوسف! یہ جو آج تم مجھ پہ اپنی پاکٹ منی جھونک رہے ہو نا' یہ اس لیے ہے کہ تمہیں پتا ہے اس کام کے لیے صحیح بندی میں ہی
ہوں۔ اس لیے اپنے سوٹ کی فکر کرو بس!'' کہہ کر وہ وین میں چڑھ گئی۔

اندر رافعہ اور خدیجہ بری طرح دہرائی کرنے میں مگن تھیں۔ جبکہ ناعمہ کتاب کھولے کچھ لکھ رہی تھی۔ آج ان کا آخری پیپر تھا۔

''کیسی تیاری ہے؟'' اس نے امتحان کی صبح کا مخصوص سوال دہرایا۔

''یار! کچھ نہیں آتا۔ سمجھو سب مکس اپ ہو گیا۔'' رافعہ نے ہراساں نفی میں سر ہلاتے ہوئے مخصوص جواب دیا۔

حنین نے اپنی فائل کھولی اور سرسری سی نگاہ دوڑانے لگی۔ پھر کسی احساس کے تحت ناعمہ کو دیکھا....وہ ٹشو پیپر پہ کچی پنسل سے لکھے ج
رہی تھی۔ نقل کے یہ طریقے ان کو جانے سوجھتے کہاں سے تھے۔

''اگر پکڑی گئیں تو؟'' حنین نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

''تو گرمی گرمی کرتے اس سے پسینہ پونچھ لوں گی۔ سارے ثبوت ختم!'' اس نے شانے اچکا دیے تو حنین سر جھٹک کر اپنا پڑھنے لگی۔

سیم کھڑکی سے باہر دیکھتا اپنے سوٹ اور ان دوستوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کو اس نے سوموار کی پارٹی کی تفصیلات دینا تھیں۔ ذہن میں وہ فقرے ترتیب دے رہا تھا۔

''پتا ہے ہمارے ایک انکل ہیں.... اونہوں.... کزن ہیں ہاشم بھائی' ان کا گھر پتہ ہے کیسا ہے....'' سیم کو یہ سوچ کر ہی مزہ آ رہا تھا کہ وہ کتنے مزے سے اپنے دوستوں کو سارے قصے سنائے گا۔

.....❖❖❖.....

تو نے کیا کیا اے زندگی دشت و در میں پھرایا مجھے ..... اب تو اپنے در و بام بھی جانتے ہیں پرایا مجھے

کاردار خاندان کے قصر کے سبزہ زار میں ملازموں کا عملہ اور فاضل ویٹرز پارٹی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اندر لاؤنج میں بھی صفائی ستھرائی کا عمل جاری تھا۔ شہرین متوازن قدموں سے زینے چڑھتی اوپر جا رہی تھی۔

ہاشم کا کمرہ سنسان پڑا تھا۔ وہ آگے بڑھی۔ نوشیرواں کے کمرے کا داخلی دروازہ کھلا تھا اور آگے بالکونی کا بھی۔ وہ بالکونی میں بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ گود میں کانوں میں ایرفونز۔ شہرین وہیں کھڑی رہی' یہاں تک کہ نوشیرواں نے چونک کر اس طرف دیکھا تو وہ سر جھٹک کر جانے لگی۔

''آپ کب آئیں؟'' آیئے۔'' شیر وجلدی سے ایرفونز نکالتے ہوئے اٹھا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اس روز کی نسبت آج درست حلیے میں تھا۔ وہ اسے پسند کرتا تھا' کوئی اندھا بھی بتا سکتا تھا۔ اور شہرین اندھی نہیں تھی۔ البتہ اسے معلوم تھا کہ وہ کہنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ شہرین نے پریشانی میں نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں تم بیٹھو....'' پھر رکی۔

''ہاشم.... ہے یا؟'' اس نے نوشیرواں کے بھائی کا نام لیا۔ وہی بھائی جس کے ڈر کے باعث شیر وکبھی نہیں کہہ سکے گا۔

''بھائی کا آف تھا مگر وہ شاید شہلا آنٹی کے کیس کے لیے کہیں گئے ہیں۔ ان کے ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ کر دیا تھا کسی کا۔'' وہ ابھی تک منتظر کھڑا تھا۔ شہرین کی آنکھوں میں مایوسی ابھری۔

''خیر وہ ہوتا بھی تو میرا کام نہیں ہونا تھا۔ اٹس اوکے۔ جانے دو۔'' وہ کہہ کر پلٹنے لگی۔

''کیا کام؟ مجھے بتائیں۔'' وہ قدم قدم اٹھاتا اس تک آیا۔

''چھوڑو' تم سے نہیں ہوگا۔''

''ویل! اگر آپ نے اپنے کام کا ذکر مجھ سے کیا ہے تو یقیناً آپ کو لگتا ہوگا کہ میں کر سکتا ہوں' تو بتائیں۔'' وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں تھا۔ شہرین تھکے انداز سے مسکرائی۔

''سونیا.... وہی ہے اصل مسئلہ.... اس کو میری اور ہاشم کی پکچرز چاہئیں۔ ہنی مون کی۔''

''تو آپ کے پاس نہیں ہیں؟'' نوشیرواں کو اندر سے شاید خوشی ہوئی۔

''میں تکلیف دہ یادوں کو سنبھال کر نہیں رکھتی۔'' اس نے سنہرے بالوں میں ہاتھ پھیر کر ان کو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ہنوز بالکونی میں کھڑے تھے۔

''شادی کی تو میرے پاس بھی ہوں گی۔''

''مگر ہنی مون والی ہاشم کے لیپ ٹاپ میں ہوں گی اور میں تمہارے بھائی کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔'' اس نے بہت ہی لاپروائی سے لیپ ٹاپ کا ذکر کیا۔

''نو پرابلم۔ میں کاپی کر دیتا ہوں۔ بھائی آفس نہیں گئے تو لیپ ٹاپ گھر پہ رکھ کے گئے ہوں گے۔'' وہ چلتا ہوا ساتھ والے کمر
میں آیا۔ بتی آن کی۔

''جلدی کرنا۔ میں اس کمرے میں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتی۔'' اس نے فلیش ڈرائیو بڑھاتے ہوئے کہا۔ نوشیرواں نے ڈر
پکڑتے ہوئے نظر بھر کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں۔'' وہ جواباً زخمی سا مسکرائی۔

نوشیرواں نے ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور آن کیا۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی ہو کر دیکھنے لگی۔ ساتھ ہی وہ لب
کاٹ رہی تھی اور انگلیاں بھی مروڑ رہی تھی۔

''اوہ.... پاس ورڈ؟ اب یہ کیا ہے؟'' سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے جب پاس ورڈ مانگا گیا تو نوشیرواں کراہ کر رہ گیا۔ شہرین
ماتھے پر بل پڑے۔

''میں نے کہا تھا نا تم سے نہیں ہوگا' جانے دو۔'' وہ مڑنے لگی۔

''ایک منٹ.... ٹھہریں تو!'' اس نے موبائل نکال کر ہاشم کو کال ملائی۔

''میرا نام لے لینا تاکہ وہ بالکل بھی اپنا پاس ورڈ نہ دے۔'' وہ تلخی سے بولی۔ نوشیرواں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بہت
اور سمجھ دار نظر آنے کی سعی کر رہا تھا۔

''ہاں شیرو بولو۔'' وہ مصروف تھا۔

''بھائی یار! آپ کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ کیا ہے؟''

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' اپنی تمام تر مصروفیت کے باوجود وہ چونکا تھا۔

''کچھ پکچرز چاہئیں تھیں سونیا کے لیے۔''

''کون سی پکچرز؟'' وہ ہاشم تھا' کھٹک گیا۔

''بھائی دے رہے ہو یا میں کچھ اور کروں؟'' اس کا موڈ بگڑنے لگا۔ پھر ''ہوں.... اچھا۔'' کہہ کر سر ہلا کر فون بند کیا اور مسکرا
ہوئے کی بورڈ کے بٹن دبائے۔ اس کے کندھے سے جھانکتی شہرین نے ان کو حفظ کیا (گو کہ اس کی ضرورت نہ تھی) اور پھر لاپروائی سے ا
اُدھر دیکھنے لگی۔ (یہ لفظ تو اس کو ازبر تھا۔ آنکھیں بند کر کے بھی ٹائپ کر سکتی تھی)

''آپ بتاتی جائیں' کون کون سی چاہیے۔''

ان کی ہنی مون' شادی اور دیگر مواقع کی تصاویر کھلتی جا رہی تھیں۔ مقصد پورا ہونے کے بعد شہرین کو جانے کی جلدی تھی اور وہ س
دیکھ کر سینے میں کچھ چبھنے لگا تھا۔ احساس زیاں' تہی دامنی۔

''یہ والی.... اور یہ تینوں....'' وہ انگلی سے اسکرین پہ اشارہ کرتی بتانے لگی۔ نوشیرواں نے کاپی کرتے ہوئے اس کے چہر
دیکھا۔ وہ ضبط کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس نے افسوس' ہمدردی' ترحم سب محسوس کیا تھا۔

سوائے فریب کی بو کے۔

.....❖❖❖.....

میں تو لب کھول کے پابند سلاسل ٹھہرا ..... تیری اور بات ہے تو صاحب محفل ٹھہرا

کمرہ امتحان میں معمول کا سناٹا چھایا تھا۔ دو ممتحن خواتین کرسیوں کی قطاروں کے بیچ ٹہل رہی تھیں۔ لڑکیاں سر جھکائے دھڑا

لکھے جارہی تھیں۔ حنین نے دفعتاً درد کرتی انگلیوں کو سہلاتے ہوئے سر اٹھایا اور پھر گردن کو ریلیکس کرتے ہوئے دائیں طرف دیکھا۔ کمرے کی ایک دیوار کھڑکی سے ڈھکی تھی۔ اور سامنے سڑک اور بنگلوں کی قطار نظر آرہی تھی۔ جس لاء کالج کو ان کا امتحانی مرکز بنایا گیا تھا' وہ دراصل ایک بڑا سا بنگلہ تھا۔ اور یہ کمرہ یقیناً ڈرائنگ ڈائننگ کے طور پہ استعمال کے لیے بنایا گیا ہوگا۔ اس نے سوچا۔

نیچے لان تھا اور وہاں سے ان ادھیڑ عمر وکیل صاحب کی کار نکلتی دکھائی دے رہی تھی جو ہائی کورٹ کے وکیل تھے' اس لاء کالج کے مالک تھے اور ہر پیپر میں بار بار امتحانی کمروں کا چکر لگا کر اپنی خراب انگریزی میں لڑکیوں کو نقل کرنے کے نتائج سے ڈرانے کی کوشش کرتے تھے۔ شکر کہ اب وہ کہیں جارہے تھے اور اگلے ڈیڑھ گھنٹے سر پہ سوار نہیں ہوں گے۔ اس نے مسکراہٹ دبا کر سوچا اور دوبارہ پرچے پہ جھک گئی۔

''شش!'' ناعمہ نے پیچھے سے اسے ٹہوکا دیا۔ اس نے جھنجھلا کر ممتحن کو دیکھا جس کی ان کی طرف پشت تھی اور پھر پیچھے مڑی۔

''کیا ہے؟''

''رافعہ کو دو!'' اس نے ٹشو آگے کیا۔ حنین نے جلدی سے ٹشو پکڑا جیسے کوئی جلتا ہوا انگارہ ہو اور رافعہ کی کمر پہ پین چبھا کر اسے متوجہ کیا۔ ممتحن اب چلتی ہوئی آگے جارہی تھیں۔ قطار ختم کر کے ہی وہ مڑتیں اور اس سے پہلے ہی اس نے رافعہ کو وہ دے دینا تھا۔

مگر رافعہ یا تو ڈر گئی تھی یا اس سے سمجھنے میں غلطی ہوئی یا ممتحن غلط وقت پہ مڑیں' اسے ٹہوکا دے کر ٹشو پکڑاتی حنین کے ہاتھ سے ٹشو گرا۔ وہ فوراً پیپر پہ جھکی۔ اس کی گھبراہٹ نے سب واضح کر دیا۔ ممتحن خاتون تیز تیز اس طرف آئیں۔ جھک کر ٹشو اٹھایا۔ اسے کھولا۔ حنین نے سر جھکائے اگلا لفظ لکھنے کی کوشش کی' مگر ہاتھ نم ہو گئے' پرچہ نم ہو گیا' سیاہی پھیلنے لگی۔

''آپ نقل استعمال کر رہی تھیں؟ کہاں سے آیا یہ آپ کے پاس؟ چھوڑیں پیپر!'' دو ہاتھوں نے اس کا پرچہ کھینچا۔ دو ٹیچرز مزید اس طرف آئیں۔ وہ ہکا بکا سی بیٹھی رہ گئی۔

''یہ میرا نہیں ہے میم! مجھے نہیں پتا اس میں کیا ہے؟''

''جھوٹ مت بولو۔ میں نے خود تمہیں اسے پکڑے دیکھا ہے۔''

''یہ ناعمہ نے دیا تھا' رافعہ کو دینے۔'' اس نے پچھلی اور اگلی دونوں کو گھسیٹا' کہ وہ کوئی اس کی اچھی دوستیں نہ تھیں جن کو وہ بچاتی۔

''میرا نام کیوں لے رہی ہو؟''

''مجھے نہیں پتا یہ کیا کہہ رہی ہے؟'' دونوں لاتعلق ہو گئیں۔ کمرے میں تماشا لگ گیا۔ سب سر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ ٹیچرز اسے اٹھا رہی تھیں کہ وہ اپنی چیزیں لے کر آفس میں آجائے۔ اس کا پرچہ ختم۔

''آپ پر کیس بنے گا اور تھانے میں درج ہوگا۔ تین سال تک آپ پیپرز نہیں دے سکتیں۔'' ان کے الفاظ حنین یوسف کی روح قبض کر رہے تھے۔

زمین و آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔ آج تو ویسے بھی آخری پرچہ تھا۔ یہ ایک دم سے سب کیسے غلط ہونے لگ گیا تھا؟

کچھ لڑکیاں واپس لکھنے میں مصروف ہو گئیں۔ کچھ اسے چیزیں سمیٹتے دیکھ رہی تھیں۔

''میم! یہ میرا نہیں ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا اس میں کیا لکھا ہے۔'' وہ خشک حلق کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

کسی نے اسے ٹشو ''پاس'' کرتے نہیں دیکھا تھا۔ سپریٹنڈنٹ نے ٹشو اس کے ''پاس'' دیکھا تھا اور اگلی پچھلی انہیں دُم کٹی لومڑی کا شکار لگی تھیں۔ صرف اسے اٹھایا گیا۔ وہ منت کرتی رہی۔ کبھی غصے سے زور سے بھی بولتی مگر کوئی اثر نہیں.... میڈم اسے دو کمروں سے گزار کر ایک آفس نما کمرے میں لے آئیں۔ اسے کرسی پہ بٹھا دیا۔ پرچہ پیپر ویٹ تلے رکھ دیا۔ اور ایک دوسری ٹیچر کو یونیورسٹی کی انسپکشن ٹیم کو کال کرنے کا

کہا۔مقدمے کا پرچہ انہوں نے ہی آ کر بنوانا تھا۔ٹیم شہر کے کسی دوسرے امتحانی مرکز کے دورے پہ تھی۔ان کو آنے میں کچھ وقت لگنا تھا۔گھڑی کی ٹک ٹک حنین کے اعصاب پہ ہتھوڑے برسا رہی تھی۔وہ سفید چہرہ لیے حواس باختہ پریشان سی بیٹھی تھی۔مگر خاموش نہیں تھی۔وہ بار بار احتجاج کر رہی تھی۔

''میم!میں نے کچھ نہیں کیا۔وہ پچھلی لڑکی کا تھا....''

اگر آپ نے ایک لفظ مزید بولا تو میں اس پہ ابھی سرخ کانٹا پھیر دوں گی۔''انہوں نے غصے سے جھڑکا۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے سر جھکا دیا۔

مگر وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔وہ سعدی یوسف کی بہن تھی....اوہ....بھائی کو کتنی شرمندگی ہو گی اس پر؟حنین چیٹنگ کرتے پکڑی گئی؟ تھانے میں مقدمہ؟وہ لرز کر رہ گئی۔بھائی کبھی اس پہ دوبارہ اعتبار کر سکے گا کیا؟

سپریٹنڈنٹ کو ایک ٹیچر نے بلوا لیا۔ایک دوسرے کمرے میں کچھ لڑکیاں کوئسچن پیپر پہ لکھ رہی تھیں۔ان کی لاپرواہی نے ان کو بھی پھنسا دیا۔ابھی پچھلے پیپر میں اسی جگہ ایک پوری قطار جو کوئسچن پیپر پہ پوائنٹس لکھ رہی تھی'اور اس قطار میں ٹہلتی ممتحن'دونوں پہ پرچہ کیا تھا انسپکٹر نے۔اور ابھی وہی جلا دصفت انسپکٹر پھر آنے والا تھا۔سپریٹنڈنٹ غصے سے باہر نکلیں۔حنین کمرے میں تنہا رہ گئی۔گھڑی کی ٹک ٹک ہر سو گونجنے لگی۔

میز پہ سپریٹنڈنٹ کے پرس کے ساتھ ان کا موبائل رکھا تھا۔حنین نے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا اور لمحے بھر میں فیصلہ کیا۔اسے مدد مدد پکارنا تھا۔مگر کون آئے گا؟

موبائل اُچک کر اس نے دھڑکتے دل سے نمبر ملایا۔پہلے سعدی کا'پھر مٹا دیا۔بھائی کے سامنے شرمندگی؟نہیں۔پھر پھپھو کا....دو ہندسوں کے بعد ہی مٹا دیا۔کبھی بھی نہیں'ہونہہ۔اور ماموں کا تو کوئی نمبر ہی نہ تھا۔پھر کسے کرے؟وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی۔ وہ تاریک سرنگ میں کھڑی تھی۔اور ایسے میں اچانک سے سنہری رنگ سے لکھے گیارہ ہندسے جگمگانے لگے۔بنا سوچے سمجھے اس نے نمبر ڈائل کیا۔یہ پہلی دفعہ تو نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کو فیورز دے رہے تھے۔

''ہیلو؟''ہاشم نے تیسری گھنٹی پہ فون اٹھایا۔وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا تھا اور ایکسیڈنٹ میں مرنے والی لڑکی کی فیملی سے مل کر واپس آ رہا تھا۔گو کہ نمبر انجان تھا'مگر ہاشم ہر انجان کال اٹھایا کرتا تھا۔

''ہاشم بھائی؟ہاشم بھائی میں حنین بول رہی ہوں۔''منہ پہ ہاتھ رکھے وہ دبی دبی سی آواز سے بولی۔خوف زدہ نظریں دروازے پہ ٹکی تھیں۔

''آ....کون....حنین؟''وہ یاد کرنے لگا تھا۔حنین کے گرد اندھیرے بڑھنے لگے۔نقل کرنے پہ ایک پرچہ'امتحانی مرکز میں موبائل کے استعمال پہ دوسرا پرچہ....

''میں....ندرت کی بیٹی'فارس کی بھانجی'زمر کی....''

''سعدی کی بہن؟''ہاشم چونکا تھا۔''ہاں حنین!بولو بیٹا'کیا ہوا؟خیریت؟''اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''ہاشم بھائی!انہوں نے مجھے چیٹنگ کے جرم میں پکڑا ہے۔پرچہ ہو گا۔پلیز کچھ کریں'میں....''

''تم....کدھر ہو تم؟مجھے ایڈریس بتاؤ اور فون کہاں سے کر رہی ہو؟''

اس نے جلدی جلدی ایڈریس بتایا تھا کہ باہر سے بولتی سپریٹنڈنٹ کی آواز قریب آنے لگی۔

''سپریٹنڈنٹ آ گئیں۔کال بیک مت کیجیے گا۔''گھبرا کر اس نے فون رکھا۔دروازہ کھلا اور وہ اندر آئیں۔

حنین نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا۔ دونوں ٹیچرز اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔ اسے تو وہ کنارے لگا ہی چکی تھیں۔ اب پوری پانچ لڑکیوں کے کوئسچن پیپر کا معاملہ آ گیا تھا۔ انسپکشن ٹیم آئے گی تو یہ پنڈورا باکس بھی کھلے گا۔ وہ لوگ سخت غصے میں تھیں۔

کسی نے بھی موبائل کی سمت نہ دیکھا کہ ان کو بلا اجازت خود بھی موبائل استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔

حنین اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ہاشم سے بات کر کے تسلی ہوئی تھی۔ یہ لاء کالج تھا۔ ہوسکتا ہے ہاشم ان خراب انگریزی والے پرنسپل کو جانتا ہو۔ وہ انہیں فون کر دے اور معاملہ ختم ہو جائے۔ ہاشم تو سب کو جانتا ہے۔ اور یہ تو سب کو پتا تھا کہ کام کے وقت ہاشم کاردار کو ہی پہلی کال کی جاتی ہے۔ اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔

وہ انگلیاں مروڑتی خود کو ریلیکس کر رہی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی سے نیچے گیٹ کو دیکھنے لگی۔ یہاں سے گیٹ صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ وکیل پرنسپل کب آئیں گے؟ اف۔

کتنا وقت گزرا' سپریٹنڈنٹ کی کتنی کڑوی کسیلی سنی' کچھ پتا نہیں۔ پتا اس وقت چلا جب اس نے گیٹ کے پار سیاہ چمکتی کار رکتی دیکھی۔ پچھلا دروازہ کھول کر وہ نکلا۔ سیاہ سوٹ' ٹائی' سن گلاسز' ہاتھ میں سرخ کور کی فائل۔ گلاسز اتارے ہوئے اس نے گیٹ پار کیا۔ حنین کا سانس رک گیا۔

بہت عرصے بعد دیکھا تھا مگر وہ پہچان گئی تھی۔ وہ ہاشم تھا۔ ہاشم خود آیا تھا؟ حنین کے لیے؟ وہ ساکت تھی۔

وہ وکیل لگ رہا تھا یا اس کی شخصیت ایسی تھی' اسے کسی ملازم نے نہیں روکا۔ وہ کسی سے امتحانی کمرے کا پوچھ کر اوپر آیا' راہداری عبور کی اور سپریٹنڈنٹ کے آفس کے سامنے رکا۔

حنین بے اختیار کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں امید اور خوف دونوں سمٹے تھے۔

''سپریٹنڈنٹ آپ ہیں؟'' ہاشم نے سنجیدگی سے سپریٹنڈنٹ کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں خواتین پزل سی ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

''جی میں ہی ہوں۔ مگر یہ امتحانی مرکز ہے۔ یہاں غیر متعلقہ افراد کا داخلہ؟'' اس کی شخصیت کے رعب میں وہ ذرا دھیمی سی کہنے لگیں۔

''تو پھر آپ ان کو یہاں سے بھیج دیں کیونکہ مجھے اور آپ کو تنہائی میں بات کرنی ہے۔'' ہاشم نے کرسی کھینچی' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا اور سنجیدگی سے دوسری ممتحن کی جانب اشارہ کیا۔

سپریٹنڈنٹ پریشان ہوئیں' مگر دوسری ٹیچر خود ہی جلدی سے باہر نکل گئیں۔

''حنین! بیٹا دروازہ بند کرو۔'' اس نے اطمینان سے دوسرا حکم صادر کیا۔ سپریٹنڈنٹ چونکیں۔ وہ اس بچی کا جاننے والا تھا' مگر.....؟

حنین نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ پھر واپس آ کر کھڑی رہی۔ ٹانگوں سے جان نکلنے کو تھی مگر بیٹھی نہیں۔ ہاشم نے ابھی تک اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''دیکھیں! آپ اس طرح کیسے اندر آ گئے ہیں؟ یہ کوئی طریقہ کار نہیں۔'' اب کے ان کو غصہ چڑھنے لگا تھا۔

''میں ہاشم کاردار ہوں۔ حنین یوسف کا وکیل۔ اور طریقہ کار میں ابھی آپ کو سمجھائے دیتا ہوں۔''

مگر اس کے نام کا سپریٹنڈنٹ پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسے نہیں جانتی تھیں۔

''اس بچی نے نقل کی ہے۔ یہ نقل کی بوٹی (ٹشو پیپر لہرایا) ہم نے اس کے پاس سے پکڑی ہے اور ابھی انسپکٹر آ کر اس پہ پرچہ کاٹنے لگے ہیں۔ اس لیے میں یہاں آپ کی کوئی سفارش نہیں سننے والی ہوں۔''

''جی..... یہ نقل کی بوٹی اس کے پاس تھی' بالکل تھی!'' ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا تو حنین نے کرنٹ کھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''اور یہ بوٹی اسے آپ نے پہنچائی تھی میڈم سپریٹنڈنٹ!''

میڈم کا منہ کھل گیا۔ آنکھوں میں حیرت اور پھر غصہ ہلکورے لینے لگا۔ مگر اب ہاشم نے اسے بولنے کا موقع نہیں دینا تھا۔

''یہ آپ ہی نے پہنچائی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پچھلے چند سالوں میں آپ نے اپنی تین رشتہ دار بچیوں اور ایک دوست کی بچی کو نقل پہنچائی تھی۔ ان چاروں لڑکیوں کے بیان حلفی، نقل کے عمل کا طریقہ، ان امتحانی مراکز کی تفصیلات اور شناختی کارڈز کی کاپی، سب اس فائل میں موجود ہیں۔ اور جب میں یہ فائل یونیورسٹی انتظامیہ اور کنٹرولر امتحانات کو دکھاؤں گا اور جب وہ ان میں سے ایک بچی کے منہ سے سب سنیں گے، کیونکہ وہ بچی بعد میں مدرسے چلی گئی تھی اور اب اسے اپنی نقل کی کمائی گئی ڈگری پہ بے حد ندامت ہے، تو آپ کا کیا بنے گا؟''

سپریٹنڈنٹ کا تو رنگ سفید پڑا ہی، حنین الگ منہ کھولے ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو سرخ فائل لہرا کر سب کہہ رہا تھا۔

''یہ جھوٹ ہے۔ میں نے کبھی کسی کو نقل نہیں کروائی۔''

''وہ میرا مسئلہ نہیں ہے، یہ بچی میرا مسئلہ ہے۔ آپ اسے پیپر واپس دیں اور اس کا جو ٹائم.... کتنا ٹائم ضائع ہوا ہے؟'' رک کر حنین کو دیکھا۔ وہ جو ہکا بکا اسے دیکھے جا رہی تھی، گڑبڑا کر گھڑی دیکھی۔ ''چالیس منٹ۔''

''اس کے جو چالیس منٹ ضائع ہوئے ہیں، وہ اس کو ایکسٹرا دیں۔ اس کا پیپر بغیر سرخ نشان کے لیا جائے اور اسے عزت سے جانے دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو آپ کی یونیورسٹی کے وی سی کا نمبر میرے فون میں ''آر'' کی لسٹ میں ہے (ساتھ ہی موبائل اسکرین دکھائی) کنٹرولر امتحانات کا ''ایس'' کی لسٹ میں اور آئی جی کا ''ٹی'' میں۔ سو میرے آر ایس ٹی دبانے سے پہلے اس بچی کو اس کا پیپر واپس مل جانا چاہیے۔'' وہ سپریٹنڈنٹ کی آنکھوں میں دیکھ کر بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

''یہ سب بکواس ہے۔ اور ہم انسپکشن ٹیم کو کال کر چکے ہیں، وہ آتے ہی ہوں گے۔'' وہ بے چین، مضطرب، غصے میں تھیں۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ میں یہ فائل ان ہی کو پیش کر دوں گا اور مجھے لگتا ہے ابھی تک آپ کو ان لڑکیوں کے بیانات کی نزاکت کی سمجھ نہیں آئی۔ حنین بیٹا! یہ لو اور پہلا بیان ان کو پڑھ کر سناؤ۔'' ہاشم نے سپریٹنڈنٹ کو ہی دیکھتے ہوئے فائل اس کی طرف بڑھائی۔ حنین کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے فائل کھولی اور پہلا صفحہ سامنے کیا۔

کاردار اینڈ سنز پریزنٹیشن، ہاشم کاردار کے پوائنٹس۔ وہ اندھوں کی طرح صفحے کو اوپر نیچے دیکھ رہی تھی۔ یہ تو ہاشم کے آفس کی کوئی فائل تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے ہاشم کا چہرہ دیکھا۔ (کیا وہ غلط فائل اٹھا لایا تھا؟)

''پڑھو حنین!'' اب کے ہاشم نے اسے دیکھ کر کہا۔ پھر ترچھا ہو کر خود فائل کو دیکھا۔

''ہوں.... پہلا کیس تو آپ کی بہت قریبی عزیز بچی کا ہے۔ اور یہ واقعہ بھی اسی سیکٹر کے ایک کالج میں پیش آیا....'' وہ جیسے پڑھتے ہوئے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ وہ غلط فائل نہیں اٹھا کر لایا تھا۔ حنین بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم جھوٹ بول رہا تھا۔

''بس!'' سپریٹنڈنٹ کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ہاتھ اٹھا کر سختی سے روکا۔ ہاشم نے فائل لے کر بند کر دی۔ پیپر ویٹ ہٹا کر پیپر اٹھایا اور حنین کو دیا۔

''جاؤ جا کر پیپر کرو۔'' حنین نے میڈم کو دیکھا۔ وہ ضبط سے لب کاٹتی اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسی پل دروازہ کھول کر پرنسپل وکیل داخل ہوئے۔ ہاشم نے گردن ترچھی کر کے مسکرا کر دیکھا۔ پھر اٹھ کر ملا۔ وہ خوشگوار حیرت سے اس سے ملے۔

''کاردار صاحب! آپ ادھر کیسے؟'' وہ اسے جانتے تھے۔ خیر اب تو سپریٹنڈنٹ بھی اسے جان گئی تھیں۔

''دراصل یہ میری کزن کی بیٹی ہیں۔ خاندان میں ایک بزرگ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ مجھے ان کو پک کرنا تھا۔ مگر یہ خبر سن کر پریشان ہو

گئیں اور آدھا پونا گھنٹہ ضائع ہو گیا۔ بمشکل پیپر مکمل کرنے پہ راضی کیا ہے میڈم نے۔ اور ایکسٹرا ٹائم بھی دیں گی۔ ان کی مہربانی!'' کہتے ہوئے اس نے مسکرا کر سپریٹنڈنٹ کو دیکھا جنہوں نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

''نہیں' بس تھوڑا سا رہ گیا تھا۔ میں پندرہ بیس منٹ میں کرلوں گی۔'' حنین پیپر دبوچے کھڑی ہو گئی۔

''جی بالکل آپ آرام سے کریں۔'' پرنسپل صاحب نے گرم جوشی سے کہا۔ پھر ہاشم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''آیئے نیچے آفس میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ بڑا عرصہ ہوا ملاقات نہیں ہوئی تھی آپ سے۔'' ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا' پھر گھڑی دیکھی۔ اس کا وقت بہت قیمتی تھا۔ مگر پھر بھی اس نے حنین سے کہا۔ ''پیپر دے کر آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔''

''اوہ میڈم! انسپکشن ٹیم پہنچنے والی ہے۔ آپ نے ان کو کس سلسلے میں بلایا تھا؟'' پرنسپل صاحب نے جاتے جاتے ایک دم پوچھا۔ حنین کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ اس نے ہراساں سی ہو کر ہاشم کو دیکھا جو گہری سرد نظروں سے سپریٹنڈنٹ کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ ہال نمبر تھری میں لڑکیاں کوکنگ پیپر پہ لکھ رہی تھیں تو....''

''او کے او کے....'' وہ سر ہلا کر ہاشم کو باہر لے گئے۔ حنین بھی پیپر کسی متاع عزیز کی طرح پکڑے وہاں سے نکل گئی۔

بیس نہیں' اسے پچیس منٹ لگے۔ جلدی جلدی پیپر ختم کر کے وہ شعلہ بار نظروں سے خود کو گھورتی سپریٹنڈنٹ سے نگاہ ملائے بغیر نیچے آئی تو ہاشم پرنسپل کے آفس (جو پورچ کے ساتھ تھا' کہ وہ کالج بنگلہ ہی تھا) سے نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشگوار سا مسکرایا۔

''ہاشم بھائی.... تھینک یو سو مچ!'' وہ قریب آ کر بولی تو آواز بھرا گئی۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔

''شکریہ کس چیز کا؟ سعدی اور تم نے ہم پہ ایک احسان کیا تھا' اس کو اسی کا بدل سمجھ لو۔ خیر! میں نے پرنسپل سے کہہ دیا ہے۔ وہ اس امر کو یقینی بنائے گا کہ تمہارا پیپر بغیر سرخ کانٹے کے سیل ہو جائے۔''

''ان کو.... خبر نہیں ہوئی سارے معاملے کی؟''

''ضرور ہو گی مگر تب تک تمہارا پیپر جا چکا ہو گا۔ بے فکر رہو۔ میں نے سب سنبھال لیا ہے۔'' اس نے اعتماد سے کندھے اچکائے۔

''مگر.... وہ فائل.... اس میں میڈم کی تفصیلات تو نہیں تھیں؟''

ہاشم نے ہنس کر سر جھٹکا۔

''مجھے تو اس عورت کا نام بھی نہیں معلوم!''

''مگر.... وہ سب آپ نے کیسے کہا؟''

''میں نے اندازہ لگایا۔ کم از کم چار دفعہ تو اس نے یہ کام کیا ہو گا۔''

''لیکن اگر وہ ایماندار ٹیچر ہوتیں تو؟''

''بہر حال وہ ایماندار نہیں تھی۔''

''اور اگر وہ فائل دیکھ لیتیں؟''

''مجھے پتا تھا وہ نہیں دیکھے گی۔ اپنا اعمال نامہ کوئی بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' اس نے کلائی پہ گھڑی دیکھی۔ ''چلو تمہیں ڈراپ کر دوں۔''

اور سعدی یوسف کی بہن بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔ ''نہیں' وین آ گئی ہو گی۔ اور اگر آپ نے چھوڑا تو سب کو پتا چل جائے گا۔ ہاشم بھائی! پلیز سعدی بھائی کو مت بتایئے گا۔'' وہ یکدم خوفزدہ اور شرمندہ نظر آنے لگی۔

''کیا یہ کہنے کی بات ہے؟'' الٹا وہ حیران ہوا۔ حنین نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

''آج پھر پارٹی پہ آ رہے ہو؟ زمر نے آر ایس وی پیز ٹکٹ کر کے بھیج تو دیئے تھے۔''

''جی' پھپھو خود کارڈ دینے آئی تھیں۔ ہم سب آئیں گے۔''

''اچھا زمر خود گئی تھیں؟ گڈ!'' ہاشم مسکرا دیا۔ پھر دوبارہ گھڑی دیکھی۔ اس کو جانا تھا' سو مہذب انداز میں اجازت چاہی۔

حنین کی نگاہوں نے اس کے کار میں بیٹھنے تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کا پرفیوم ہنوز اس کے اردگرد پھیلا تھا۔ وہ جادو گر تھا۔

ساحر.....

وہ مڑ گئی.... ابھی اسے رافعہ اور ناعمہ کی بھی خبر لینی تھی۔

.....❖❖❖.....

سارے گل بوٹے مصنوعی ..... رنگ ' نمو' خوشبو دھوکا ہے

قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی تھی۔ بھرپور سجاوٹ' سیاہ اور سنہری اسپرے پینٹ شدہ اصلی گلاب' روشنیاں' قہقہے۔

وہ سب گول میزوں کے گرد کھڑے تھے۔ وہ گول میزیں اتنی اونچی تھیں کہ سینے تک آتیں۔ کرسیاں ندارد۔ ایک میز پہ ٹیگ لگا تھا "Yousufs" اور اس کے گرد وہی چاروں تھے۔ صرف حنین کا فراک سنہری تھا۔ باقی سعدی اور سیم سیاہ سوٹ میں تھے اور زمر کو تو سیاہ کی عادت تھی۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی سامنے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ لمبی قمیض' کندھوں پہ سیاہ ہی دوپٹہ۔ بال کھلے تھے۔ حنین کے بال مگر فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور وہ مسلسل اردگرد سے گزرتی لڑکیوں کے پیر دیکھ رہی تھی۔ (امیر لڑکیوں کی شکلیں جیسی بھی ہوں' پاؤں بلا کے حسین ہوتے ہیں) وہ چہرہ رگڑ لے' بہت ہے۔ پیروں کا خیال دعوتوں میں ہی آتا۔ اس نے اپنے پاؤں فراک کے گھیر کے اندر سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے سوچا۔

سیم کافی پرجوش آیا تھا۔ حنین نے یہ کہہ کر کہ ''امی کو بڑے ابا کے پاس چھوڑ دیتے ہیں' کیوں پھپھو؟'' زمر کی تائید لی تو سعدی انکار نہ کر سکا۔ سیم کو سب سے زیادہ خوشی سوموار کو اپنے دوستوں کو اپنے امیر رشتہ داروں کی دعوت کی تفصیل بتانے کی تھی۔ اس لیے رستے میں بار بار وہ دبی آواز میں اپنا اور کاردارز کا رشتہ پوچھتا آیا تھا۔

''ہاشم بھائی ہمارے کیا لگتے ہیں؟''

''دیکھو سیم! ہمارے نانا نے دو شادیاں کی تھیں۔'' حنین نے پہلی دفعہ تفصیل سے سمجھایا۔ ''پہلی بیوی سے امی اور وارث ماموں تھے' جن کی بیوی سارہ خالہ ہیں۔ پتا ہے نا ان کا؟'' سیم نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور دوسری بیوی سے فارس ماموں تھے۔ اب یہ جو دوسری نانی تھیں نا' ان کے بھائی اورنگزیب کاردار تھے۔ ہاشم بھائی کے ابو۔''

''یعنی فارس ماموں اور ہاشم بھائی فرسٹ کزن ہوئے؟''

''بالکل! مگر ہماری امی کے فرسٹ کزن نہیں ہیں ہاشم بھائی۔ ہمارے وہ کچھ بھی نہیں لگتے ویسے۔''

''تو پھر وہ ہمیں کیسے جانتے ہیں؟''

''اف سیم.....! خون کا رشتہ نہیں ہے مگر امی کی سوتیلی ماں کے بھتیجے ہوئے تو رشتے دار تو لگے نا۔ اب دوبارہ مت پوچھنا۔''

''مگر پھر وہ زمر پھپھو کو کیسے جانتے ہیں؟''

''ہاشم بھائی اور پھپھو وکیل ہیں۔ ایک ساتھ کام کرتے رہے ہوں گے' اسی طرح شاید۔''

''تو ہاشم بھائی نے سارہ خالہ کو کیوں نہیں بلایا؟''

''اف مجھے کیا پتا؟ سارہ خالہ تو ویسے بھی اب کسی سے زیادہ ملتی جلتی نہیں ہیں اور ہمیں بھی کبھی کبھی ہی بلاتے ہیں۔''

''پہلے کب بلایا تھا؟ میں تو کبھی نہیں گیا۔'' سیم کو تو غم لگ گیا۔

''بس چند ایک بار گئے تھے ہم ان کی طرف۔ بھائی اور میں۔ اب چپ کر کے بیٹھو!'' اس نے بات ٹال دی اور.... بمشکل سیم کو خاموش کروایا۔ مگر پارٹی میں آ کر وہ واقعی خاموش ہو گیا تھا۔ یہ اس کی دنیا سے مختلف دنیا تھی اور اسے بالکل بھی مزہ نہیں آ رہا تھا۔

''کٹو....'' اس نے حنین کے قریب سرگوشی کی۔ ''یہ ہاشم بھائی...'' دور کسی سے ہنس کر باتیں کرتے ہاشم کی طرف اشارہ کیا۔ ''کتنے آرٹیفیشل لگتے ہیں نا؟''

''الو.... اشارے مت کرو!'' اس نے جلدی سے سیم کا ہاتھ دبایا۔ البتہ چہرے کے رنگ بدل گئے۔ وہ ہاشم کو دیکھ بھی نہ پا رہی تھی۔ دل میں خوف الگ۔ اگر کسی کو پتا چل گیا تو؟

قصرِ کاردار کے باہر... چند کلومیٹر کے فاصلے پہ... ایک ویران سڑک پہ وہ کار رکی کھڑی تھی۔ چاند اور اسٹریٹ پول کی ملی جلی مدھم روشنی میں دیکھو تو ڈرائیونگ ڈور سیٹ لگائے فارس غازی کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹ رکھے تھے اور سر جھکائے جو گرز مین پہ رگڑ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اپنی سنہری آنکھیں متلاشی انداز میں دائیں بائیں گھمائیں۔ وہ گویا کسی کا منتظر لگتا تھا۔

اس نیم اندھیر جگہ پہ بھی اس کا چہرہ شفاف سا لگتا تھا۔ جیل والی پونی اب کٹ چکی تھی اور بال بہت چھوٹے ہو چکے تھے گویا استرا پھیر دیا ہو۔ پوری آستین کی سرمئی شرٹ پہن رکھی تھی۔ وجیہہ چہرے پہ بے زاری سی تھی۔ سنہری آنکھیں اور ستواں مگر مغرور ناک اس کو مزید پر کشش بناتی تھیں۔ وہ واقعی ایسا مرد تھا کہ جس کو راہ چلتے بھی لوگ مڑ کر ایک دو دفعہ تو ضرور دیکھتے تھے۔ مگر وہ عام خوبصورت مردوں کی طرح اس بات سے لطف اندوز نہیں ہوتا تھا۔

شاید اب نہیں ہوتا تھا۔

اب اس کے چہرے پہ ہمہ وقت ایک چڑچڑا پن چھایا رہتا تھا۔ بے زاری اور غصہ۔

بالآخر سامنے سے کار آتی دکھائی دی۔ تیز ہیڈ لائیٹس کے باعث فارس نے آنکھیں چندھیا کر منہ پھیر لیا۔ ہیڈ لائیٹس مدھم ہوئیں۔ انجن بند ہوا۔ بتیاں بجھیں۔ سڑک پہ پھر اندھیرا چھا گیا۔ دروازہ کھلا اور ایک نوجوان باہر نکلا۔ یہاں سے اس کی پشت دکھائی دیتی تھی۔ سر کے بال سیاہ تھے اور نیچے رف سی جینز شرٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں ایک بیگ پکڑ رکھا تھا۔

''غازی!'' اس نے گلے ملنے کو بازو آگے بڑھایا اور فارس نے بیگ لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ وہ رک گیا۔

''مبارک تو دینے دے یار۔''

''میرا سامان' اسٹپنی!'' وہ خشک لہجے میں بولا مگر آواز خشک نہیں تھی۔

نوجوان نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''میں تمہارا واحد دوست ہوں۔ جیل کا ساتھی رہا ہوں۔ اور تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ اگر تمہیں باہر لانے میں سعدی کا ہاتھ ہے تو دو چار انگلیاں میری بھی ہیں۔ بندہ دوستی کا ہی لحاظ کر لیتا ہے۔'' بیگ ساتھ دھرتے وہ بہت ناراضی سے بولا تھا۔

''سامان پورا ہے؟'' اس نے زپ کھول کر دیکھا۔ تفتیشی مشکوک نگاہوں سے ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کیا۔ اندھیرے کے باوجود وہ اتنا دیکھ سکتا تھا کہ سب پورا تھا۔

''جان پہ کھیل کر لایا ہوں یہ سب۔ ویسے تم اس کا کیا کرو گے؟''

''اپنی حفاظت کے لیے ہے اور کیا کرنا ہے۔'' وہ اب بیگ کو کار کی پچھلی سیٹ پہ رکھ رہا تھا۔

''اسلحہ اپنے لیے بھی رکھو تو چلانا دوسرے پہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ کو مانو غازی۔ ابھی تم جیل سے نکلے ہوا بھی سے یہ کام...''

''تمہارا شکریہ۔ میں چلتا ہوں۔'' وہ سپاٹ سا کہتا ڈرائیونگ دور کی طرف بڑھا۔ اسٹپنی چند لمحے کے لیے ہکا بکا رہ گیا۔

''اور میرے پیسے؟ کیا تم بھول گئے کہ میں اس شہر کے سب سے مہنگے کنسلٹنٹس consultants میں سے ایک ہوں۔''

''اچھا؟ ابھی تو تم نے کہا کہ تم میرے دوست ہو۔'' اس نے تعجب سے کہا اور اندر بیٹھ گیا۔

''مگر میرے پیسے لگے ہیں یار۔ وہ کون ادا کرے گا۔'' وہ چیخا تھا۔ فارس نے ہاتھ ماتھے تک لے جا کر اسے سلام کیا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر کار آگے بڑھا دی۔ وہ وہیں کھڑا خفگی سے بڑبڑاتا رہا۔

قصرِ کاردار کے اندرونی لان میں پارٹی کی رونق جاری وساری تھی۔

سعدی جوس کے گلاس سے گھونٹ بھرتا گہری نظروں سے بائیں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہاں شہرین کھڑی کسی سے مل رہی تھی۔ اس نے وہی سنہرا گاؤن پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں کلچ کے ساتھ ٹیب اٹھا رکھا تھا۔ پھر سعدی کو دیکھ کر ان کی طرف آئی۔

''ہیلو ڈی اے!'' زمر کو وہ اسی طرح پکارتی تھی۔ ڈی اے یعنی ڈسٹرکٹ اٹارنی۔ پھر سعدی پہ ایک سرسری نظر ڈالی۔

''ہیلو سعدی! ٹھیک ہو تم؟'' رسمی سا حال احوال پوچھا۔

زمر نے محض سر کے خم سے جواب دیا۔ وہ اسی طرح مڑ گئی' مگر سعدی کے قریب سے۔ اور سعدی نے بے حد مہارت سے ٹیب پکڑ کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ شہرین مڑے بنا دور ہوتی گئی۔ سعدی نے گہری سانس لی۔ آدھا کام ہو گیا تھا' مگر پاس ورڈ....

''زمر نے وعدہ پورا کیا۔ سعدی بالآخر آ گیا۔''

ہاشم نے مسکرا کر اس کے کندھے کو تھپکا تو وہ سنبھل کر سیدھا ہوا۔ ہاشم ابھی ادھر آیا تھا۔ حنین اپنے جوتوں کو دیکھنے لگی۔

زمر نے ذرا سے شانے اچکائے۔ اور خاموشی سے اسے سعدی سے بات کرتے دیکھتی رہی۔

''کیا کر رہے ہو آج کل؟'' وہ بالکل بڑے بھائیوں کے انداز میں پوچھنے لگا۔ سعدی سادگی سے مسکرایا۔

''آپ کو علم نہ ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں' یہ میں نہیں مان سکتا۔''

ہاشم ہنس دیا مگر اس کی سرد آنکھیں سعدی کے اندر تک اتر رہی تھیں۔

''یہی تو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم کیا کر رہے ہو؟''

''گڑے مردے اکھاڑ رہا ہوں۔''

ہاشم کی برف آنکھوں میں تپش ابھری' مگر مسکراہٹ پھیکی نہ ہوئی۔

''کوئی مدفن ملے تو مجھے بھی خبر کرنا!''

''سب سے پہلے آپ ہی کے پاس آؤں گا' وعدہ رہا۔'' سعدی کے لہجے میں عزم تھا۔ ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور سعدی کے کالر سے نادیدہ گرد جھاڑی۔

''میں انتظار کروں گا۔'' پھر دوسروں کی طرف پلٹا۔ ''کیسی ہو حنین؟''

حنین نے چہرہ اٹھایا' پلکیں لرزیں۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ نرم مسکراہٹ سے اس کو دیکھتا۔ کیمل کلر کے سوٹ میں ملبوس' اندر سیاہ شرٹ۔ سب سے مختلف۔ حنین کا اعتماد بڑھا۔ کسی کو کچھ علم نہیں ہوگا۔ ہاشم کسی کو نہیں بتائے گا۔

''جی.... ٹھیک!''

وہ سیم کو دیکھے بنا زمر کی جانب متوجہ ہوا۔ ''کیا میں نے آپ کو بتایا کہ مجھے سرکار بنام عبدالغفور میں سیٹلمنٹ مل گئی ہے؟''

زمر کی گھنگھریالی لٹ لپیٹتی انگلی ساکت ہوئی۔ آنکھوں میں حیرت' شاک' کچھ بھی نہ ظاہر ہوا۔ بس سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''واقعی؟ پراسیکیوٹر بصیرت کیسے مانے؟''

''جیسا کہ میں کہتا ہوں پیسہ بولتا ہے۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔ ''ویسے آپ کو لاعلم دیکھ کر حیرت ہوئی۔ میرا خیال تھا میری جیت کا آپ کو علم ہوگا!''

''مجھے واقعی علم نہیں تھا کہ آپ جیت گئے ہیں۔'' اس نے بے نیازی سے ابرو اچکائے۔ ''اینی ویز مبارک ہو۔ آپ نے ایک قاتل کو اہل سے محفوظ کرالیا۔''

''یہ صرف ایک ایکسیڈنٹ تھا!'' ہاشم نے یاد کروایا۔ پھر اینٹرنس کی طرف دیکھا اور ''میں آتا ہوں'' کہہ کر اپنے دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔

زمر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر رخ موڑا تو سعدی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ کس جیت کی بات کر رہے تھے؟ اور یہ کارپوریٹ Litigation سے کریمنل کیسز کی طرف کیوں آجاتے ہیں بار بار؟ ذرا سمرائز کر کے بتائیں۔'' اس کی بات پہ زمر نے کہنا شروع کیا۔

''ویل.... ہاشم کی ماں کی دوست مسز شہلا ارشاد کے ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ میں ٹین ایج لڑکی مار دی اور ہاشم اپنا آفس چھوڑ کر صرف عزیز و اقارب کو فیورز دینے ڈی اے کے آفس آتا رہتا ہے۔ سو وہ معاملہ سیٹل کرنا چاہتا تھا۔ مگر پراسیکیوٹر بصیرت کے پاس کیس ہونے کی وجہ سے یہ مشکل تھا۔ بہرحال اس نے دیت کی رقم جتنا اماؤنٹ اوپر بھی خفیہ طور پر ورثا کو دے دیا اور معاملہ سیٹل۔''

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''صرف بیس منٹ۔''

زمر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ابا پہلی دفعہ جب مجھے آپ کے پاس لے کر گئے تھے' تب میری عمر بیس منٹ تھی۔ سو سوائے ان بیس منٹ کے باقی کے پچیس سال سات دن میں آپ کے قریب رہا ہوں' اور ان بیس منٹ کی کمی میری آپ کو سمجھنے کی صلاحیت پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آپ نے ہاشم سے لہا' آپ اس کی جیت سے بے خبر تھیں۔ اور اس کو ڈی کوڈ کروں تو آپ کو خبر تھی۔ مگر جیت کی نہیں' کیونکہ وہ شاید جیتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے وہ آپ نے ابھی سمرائز کر کے بتایا ہے' اسے زُمرائز کر کے بتائیں۔''

''زُمرائز کروں؟ اچھا....'' وہ ہلکا سا ہنسی اور اتنے عرصے بعد یہ پہلی دفعہ ہوا۔ وہ مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا اور حنین بے دلی سے سن رہی تھی۔ اس کا دھیان بار بار بھٹک رہا تھا۔

''قانون اندھا ہوتا ہے مگر پراسیکیوٹر کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ مجھے کیس دیکھ کر پتا چل گیا تھا کہ ایکسیڈنٹ مالکن نے کیا ہے اور ملازم ڈرائیور قربانی کی بھیڑ ہے۔ مگر ثبوت تھا نہ گواہ۔ تو میں نے ہاشم کو پراسیکیوٹر بصیرت کا رستہ دکھایا۔ کیونکہ ہاشم اپنی انا کے لیے مسز شہلا سے دوہری رقم نکلوا سکتا تھا۔ جب لڑکی کے باپ نے بتایا کہ دوہری رقم مل گئی ہے تو میں نے بصیرت صاحب کو ڈیل کے لیے قائل کر لیا۔ بہرحال یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا اور میں صرف اس فیملی کی مدد کرنا چاہتی تھی۔''

مسکرا کر بتاتے اس نے دور کسی سے بات کرتے ہاشم کو دیکھا۔ حنین بے دلی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ البتہ سعدی نے صحیح انجوائے کیا تھا۔

''آپ نے ہاشم کو کیوں نہیں بتایا کہ وہ نہیں جیتا؟''

زمر نے جواباً سعدی کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''ہمارے اسکول میں ایک جادوگر شو کرتا تھا۔ کبھی ٹوپی سے کبوتر نکالتا' کبھی کان سے ۔۔۔ میں نے ایک دن پوچھا' اس ٹرک کا راز تو بتائیں۔ وہ بولا' جس دن بتا دیا وہ میرے شو کا تمہارے اسکول میں آخری دن ہوگا۔''

''صحیح! اور یہ ڈرائیور کو قربان کرنے کا مشورہ بھی ہاشم بھائی کا ہوگا۔''

''کیا پتا انہیں معلوم نہ ہو کہ جرم مالکن نے کیا ہے۔'' حنین کو برا لگا تھا۔

''معلوم؟ ہاشم کبھی بھی اپنے کلائینٹ سے نہیں پوچھے گا کہ اس نے جرم کیا ہے یا نہیں۔ اس کا کام دفاع کرنا ہو تو وہ دفاع کرے گا۔ پراسیکیوٹ کرنا ہو تو پراسیکیوٹ کرے گا۔''

حنین زمر کو دیکھ کر رہ گئی۔ ہاشم نے اس سے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اس نے نقل کی تھی یا نہیں۔

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ وکیل کا کام پوچھنا اور موکل پہ اعتبار کرنا نہیں ہوتا۔ اسے خود تفتیش کر کے سچ ڈھونڈنا اور اسے چھپانا یا بڑھانا ہوتا ہے۔''

''ہاشم بھائی کو لازمی پتا ہوگا کہ مالکن نے جرم کیا ہے۔ اپنے جیسے کرمنلز کو وہ اچھے سے جانتے ہیں۔'' سعدی نے اضافہ کیا تو زمر نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

''سعدی! میں ہاشم کو پسند نہیں کرتی اور قابل اعتبار تو قطعاً نہیں سمجھتی۔ مگر کرمنلز کا دفاع کرنے کے باعث ہم اس کو کرمنل نہیں کہہ سکتے۔''

سعدی خاموش ہو گیا۔ بس ایک نظر زمر پہ ڈالی۔ اگر جو پھپھو کو پتا چل جائے کہ وہ ہاشم کو اتنا بھی نہیں جانتیں تو؟''

جواہرات جب ادھر آئی تو تنہا نہیں تھی۔ ساتھ دو تین خواتین بھی تھیں۔ تازہ بوٹوکس کا اثر تھا۔ وہ سیاہ سنہری دھاریوں والے گاؤن میں دمک رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے سعدی کا کالر نزاکت سے جھاڑا۔

''کیا یہ دوستی ہے تمہاری نظر میں کہ شکل بھی نہیں دکھاتے؟'' بڑی نزاکت اور مان سے کہا۔

سعدی نرمی سے مسکرا دیا۔

''اب آپ کے پاس خود پہلے جیسا وقت نہیں ہوتا مسز جواہرات!'' جواہرات بس مسکرا کر اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کروانے لگی۔ ایک تو شاید زمر کو جانتی بھی تھی۔

''اوہ آپ زمر ہیں' مجھے یاد ہے۔ پہلے بھی ملاقات ہوئی تھی۔'' اس نے البتہ زمر کا نام غلط تلفظ سے بولا تھا۔ رے کے اوپر زبر کے ساتھ۔ ''اف''

''اٹس زُمر.....زو.....مر۔زے کے اوپر پیش ہے۔'' اس نے تو ڑ تو ڑ کر بتایا۔ وہ خاتون ''اچھا اچھا'' کہہ کر سر ہلانے لگیں۔ قدرے فاصلے پہ کھڑا نوشیرواں تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے ماں کے وعدہ پورا کرنے کا انتظار تھا۔

اب جواہرات نے ساتھی خواتین سے سعدی کا تعارف کروایا۔

''یہ سعدی یوسف ہے' ہمارا رشتہ دار اور بہت اچھا دوست۔ اپنا مکمل تعارف اور شجرہ نسب بتانا سعدی کو پسند ہے۔ سو بتاؤ نا سعدی!''

سعدی ذرا سا چونکا۔ پھر سنبھل کر مسکرایا.....سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ (تو نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتارا جا رہا تھا) اس نے بس ایک نظر سامنے کھڑے شیرو پہ ڈالی جس کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ سعدی کھنکھارا۔

''مسز جواہرات نے چونکہ شجرہ نسب کا ذکر کیا ہے' تو ہم پٹھان ہیں اور ہمارا قبیلہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا ہے' یوسف علیہ السلام کی اولاد سے۔ اسی لیے سعدی یوسف خان نام ہے میرا۔۔ یوں میں' میرے مڈل کلاس والدین' ہم سب بنی اسرائیل سے ہیں۔''

کہہ کر اس نے معصومیت سے جواہرات کو دیکھا۔ جہاں شیرو کا چہرہ سیاہ پڑا' وہیں جواہرات بھی بجھ گئی۔ وہ یقیناً یہ سب اس انداز میں نہیں کہلوانا چاہتی تھی۔ اگر جو وہ اس روز نوشیرواں کے سامنے جھاڑی گئی تقریر یہاں دہراتا تو کتنا مزہ آتا۔ مگر اب وہ تینوں خواتین ستائشی

نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ نوشیرواں سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ جواہرات نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ ''آسٹریلیا کب جا رہی ہو آمنہ؟''

''اسی ہفتے' حماد اور کرن کے ساتھ۔''

زمر چونکی۔ سعدی بھی۔ حنین تک نے ان کو دیکھا۔ جواہرات مسکراتے ہوئے نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے پاس بدلہ لینے کے بہت سے طریقے تھے۔

''کرن کیسی ہے؟''

''جڑواں بیٹے ہوئے ہیں اس کے۔ خوش ہے۔'' وہ کرن کی خالہ تھیں۔ اور یہ تو سب کو علم تھا کہ زمر کے منگیتر کا رشتہ جواہرات کے جاننے والوں میں ہی ہوا تھا۔

وہ خواتین وہاں سے ہٹیں تو جواہرات اس طرف مڑی۔ ایک معصوم نظر سعدی کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی۔ پھر زمر کو دیکھا جو سپاٹ کھڑی تھی۔ پھر ایک دم آنکھوں میں ملال ابھرا۔

''اوہ آئی ایم سوری ہنی! مجھے حماد کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا نا۔'' نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ جیسے بے حد شرمندہ تھی۔

حنین نے لب کاٹتے ہوئے پھپھو کو ہمدردی سے دیکھا۔ اسے اپنے پچھلے رویے پہ شرمندگی ہوئی۔ بے چاری پھپھو۔

''مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' اسے فرق پڑا تھا'' مگر وہ رخ موڑ گئی۔ اور وہیں انٹرنس سے وہ چلا آ رہا تھا۔ سیاہ سنہرے لوگوں میں وہی منفرد تھا۔ نیلی جینز اور سفید شرٹ' چھوٹے کٹے بال' کندھے پہ بیگ لٹکائے۔ ویٹر نے کچھ کہا۔ اس نے ''اونہوں'' کرتے بیزاری سے اسے پرے کیا اور برآمدے کی جانب بڑھ گیا۔

زمر کی آنکھوں میں کرب ابھرا۔ نفرت' غم' غصہ۔ لب بھنچ گئے۔ جواہرات نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

''وہ رہا ہو گیا ہے اور یہ اس کے ماموں کا گھر ہے۔ اس کو رہنے سے روک نہیں سکتی۔ فارس کو کوئی بھی کچھ کرنے سے روک نہیں سکتا۔'' جواہرات نے زمر کا ہاتھ دبائے گویا معذرت کی' مگر دھیرے سے۔

''مجھے فرق نہیں پڑتا۔''

''آئی ایم سوری رئیلی!''

''یو شڈ بی!'' سعدی نے سرد لہجے میں کہا۔ جواہرات نے نرمی سے اسے دیکھا۔ اس کی کہنی کو بچے کی طرح تھپکا اور ایکسکیوزمی کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

حنین' سیم' سعدی تینوں خاموش تھے اور زمر کے ردعمل کے منتظر تھے۔ مگر وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ نے وہ کتاب پڑھی جو میں نے گفٹ کی تھی؟'' سعدی نے کھنکھار کر کہا۔

''کون سی کتاب؟'' زمر نے آنکھوں میں اتری نمی کو اندر اتار لیا مگر لہجے میں لرزش تھی۔ ''ہاں وہ.... تیرہویں صدی کا مسلم اسکالر نان فکشن؟ نہیں میں نہیں پڑھ سکی۔ میں آتی ہوں ابھی' ہوں!'' وہ معذرت کر کے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''پھپھو ہرٹ ہوئی ہیں۔'' سیم نے کہا۔ وہ دونوں چپ رہے۔

فارس اندر آیا اور سیدھا گیسٹ روم کی طرف بڑھ گیا اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کیا اور بیگ بیڈ پہ رکھا۔ پھر خود بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ سر ہاتھوں میں لیے کتنی ہی دیر بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب ملال در آیا تھا۔ لوگوں میں گھری

کھڑی اس سیاہ لباس والی لڑکی کی بھوری آنکھوں کی تپش گویا اندر تک اتر گئی تھی۔ جیسے اس نے اس کے سارے اندر کو جلا ڈالا ہو۔ وہ بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ مدھم زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ باہر کے شور اور رونق سے بالکل کٹ کر یہ کمرہ خاموش سا تھا۔

پھر وہ اٹھا اور دھیرے دھیرے چلتا کھڑکی تک آیا۔ پردہ ذرا سا سرکایا۔ سامنے ہی لان میں وہ کھڑی تھی۔ بددلی سے وہ سعدی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اپنی تمام تر خشک مزاجی اور تلخی کے باوجود اس کی آنکھوں میں اتری گہری اداسی کو وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتا تھا۔ جیسے وہ اندر کی ساری ویرانیوں کو چھپانے کے لیے خود پہ کرختگی کا ملمع چڑھائے ہوئے تھی۔ اس پہ نظریں جمائے وہ یونہی کھڑا رہا۔ انگلیوں سے پردے کو اسی طرح تھامے رکھا۔ وہ منظر میں تھی اور فارس کی نگاہیں وہیں جمی تھیں۔ ذہن میں بہت سے پرانے منظر گھوم رہے تھے۔

''جی ہاں' میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ ملزم فارس غازی نے مجھے ریستورانٹ بلایا تھا اور پھر مجھ پہ گولی چلائی تھی۔'' برسوں پہلے وہ عدالتی کٹہرے میں کھڑی تھی اور گردن اٹھائے سپاٹ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''نہیں میں نے اسے گولی چلاتے نہیں دیکھا تھا مگر میں نے اس کی آواز سنی تھی۔ میں گواہ ہوں اس بات کی کہ مجھ پہ اور زرتاشہ غازی پہ حملہ کرنے والا ملزم فارس غازی ہی تھا۔''

فارس نے پردہ چھوڑ دیا۔ کپڑا لہرا کر اپنی جگہ پہ آن گرا۔ باہر کا منظر چھپ گیا۔ اس کا دل برا ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں ناگواری ابھر آئی تھی۔ وہ سر جھٹک کر واپس بیڈ کی طرف آیا۔ تیز سفید بتی جلائی اور پھر بیگ کھولنے لگا۔ کچھ دیر پہلے کھڑکی کے پاس کھڑے شخص والا کوئی تاثر اس کے چہرے پہ نہیں تھا۔ وہاں صرف سنجیدگی تھی اور سپاٹ پن۔

اب وہ بیگ کی تمام اشیاء کو ایک ایک کر کے دیکھ رہا تھا۔ چیک کر رہا تھا۔

باہر کیک کٹ رہا تھا۔ ہاشم اور شہرین بچی کے اردگرد مسکراتے ہوئے موجود تھے۔ مصنوعی قہقہے' کھوکھلی خوشیاں۔ پھر شہرین نے کیک کے ٹکڑے کرنا شروع کیے۔ وہ فونڈنٹ کا تین منزلہ کیک تھا جیسے اصلی گڑیا پھولے فراک کے ساتھ کھڑی ہو۔ وہ فروزن کی ایلسا تھی۔ مگر اس کا لباس نیلا نہیں' برفیلا گلابی تھا۔ چند کیکس اس کے علاوہ بھی مرکزی میز پہ رکھے تھے جن کے اب فیونا ٹکڑے کر رہی تھی۔ ایلسا والے کیک پہ ایلسا نے ایک دل اٹھا رکھا تھا جس پہ Soniya لکھا تھا۔

شہرین نے وہ دل سونیا کی پلیٹ میں ڈالا مگر جب کیک سرو کیا جانے لگا تو اس نے وہ دل ایک اور ڈش میں کیک کے اوپر رکھ کر فیونا کو دیا۔

''یہ ڈی اے کی ٹیبل پہ لے جاؤ۔''

فیونا اسے فوراً وہاں لے آئی۔ ڈی اے (زمر) تو نہیں تھی مگر سعدی نے یہ سب بہت غور سے دیکھا اور پھر شہرین کو۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کو دیکھتے پا کر مہمانوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔ یعنی سعدی خود سمجھ لے تو سمجھ لے' وہ بس کنارے کنارے رہ کر ہی مدد کرے گی۔

زمر اندر آئی تو وہاں بھی مہمان بکھرے تھے۔ امیروں کی دعوتیں' سارا گھر ہی کھول کر رکھ دیتے ہیں۔

''گیسٹ باتھ روم کس طرف ہے؟'' زمر نے گزرتے ویٹر کو روکا۔ وہ کسی کام سے آیا تھا سو باتھ کی بجائے گیسٹ روم کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ سیدھی ادھر چلی آئی۔ وہ آنسو جو باہر مضبوطی کے خول نے بہنے نہیں دیے تھے' وہ اندر اترنے کے باوجود آنکھوں کو سرخ کر گئے تھے۔ اس نے گیسٹ روم کا دروازہ دھکیلا کہ باتھ روم جا کر منہ دھوئے مگر....

بیڈ پہ بیگ کھلا پڑا تھا۔ ایک مشین گن' دو پستول' گولیاں اور خود وہ بیڈ کے کنارے پہ جوگر رکھے پنڈلی کے ساتھ چاقو باندھ رہا تھا۔

آہٹ پہ چونک کر سر اٹھایا۔ پھر وہیں رک گیا۔ سیدھا بھی نہ ہوا۔

چوکھٹ پہ کھڑی زمر کا سانس رک گیا تھا۔ اس کی نگاہیں اسلحے سے ہوتی فارس کے چہرے تک گئیں۔ پھر ان میں اترا غم' غصے میں

بدلا۔ جبڑے کی رگیں تن گئیں۔ وہ پیچھے ہوئی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ اب اسے مزید فریش ہونے کی خواہش نہ تھی۔ وہ تیز تیز چلتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

حنین کے کپڑوں پہ کیک کا ٹکڑا گرا تھا۔ وہ سیم کو لیے اندر آ گئی۔ کیک کے بعد سب پھر سے بکھر گئے تھے۔ کھانے میں ابھی وقت تھا۔ حنین کو یاد تھا کہ گیسٹ باتھ رومز کدھر ہیں۔ داخلی رستے میں سے دروازہ کھلتا اور اندر شیشے کی دیوار کے ساتھ قطار میں بیسن تھے۔

''کچھ لوگوں کے چہرے کو دیکھ کر لگتا ہے ان کو بھڑوں نے کاٹا ہے۔ مگر نوشیرواں بھائی کے بالوں کو دیکھ کر مجھے یہی لگتا ہے۔'' راہداری سے گزر کر اندر جاتے شیرو کو دیکھ کر سیم نے تبصرہ کیا۔ حنین کو شدید ہنسی آئی مگر اس نے زور سے سیم کے چٹکی کاٹی۔

''اپنی کمنٹری بند رکھو۔'' وہ نل پہ اوپر نیچے ہاتھ مارنے لگی۔ وہ کھل نہیں رہا تھا۔

چونکہ دروازہ کھلا تھا اور ہر گزرتا شخص دکھائی دے رہا تھا' تب ہی ہاشم نے چوکھٹ پہ رک کر پوچھا۔ ''کیا ہو رہا ہے بچو؟''

حنین نے خوشگوار حیرت سے سر اٹھایا۔ وہ ان کو دیکھ کر بالخصوص رکا تھا۔ سب سے ہٹ کر بھی اس سے ملاقات ممکن تھی؟ پھر جھینپ گئی۔

''یہ نل نہیں کھل رہا۔''

''آہستہ سے اس کے نیچے ہاتھ لے کر جاؤ۔'' ہاشم نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔ حنین نے آہستہ سے نل تلے ہاتھ کیے۔ پانی کی دھار بہہ پڑی۔

''اوہ۔'' وہ جھینپ گئی۔ ہاتھ دھو کر ہٹائے۔ دھار غائب۔ آٹو میٹک۔ اسے کیوں بھول گیا؟

سیم اندر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ حنین پیپر ٹاول سے ہاتھ خشک کر کے چوکھٹ تک آئی۔

''تو کیا سبجیکٹس ہیں تمہارے؟'' ہاشم نے بات کا آغاز کیا۔

''لٹریچر!'' وہ نگاہیں جھکا کر جھینپ کر مسکرائی۔

''اوہ.... میں سمجھا شاید....'' وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے چہرے پہ سایہ گزرا۔ ہاشم نے اسے غور سے دیکھا اور بات بدل دی۔ ''تو کیا لٹریچر میں بھی نقل ہو سکتی ہے؟''

''نقل ہر سبجیکٹ میں ہو سکتی ہے مگر آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے نقل کی تھی یا نہیں؟''

''میں یہ کبھی نہیں پوچھتا۔'' وہ مسکرایا۔ ''مگر یہ ضرور پوچھوں گا کہ تمہارے گلاسز کہاں گئے۔ تم تو چشمش ہوتی تھیں نا۔''

''اتر گئے۔ بھائی نے لیزر کروا دیا تھا۔'' اس نے قدرے اعتماد سے ہاشم کو مسکرا کر دیکھا۔

''آپ کو میری عینک یاد ہے' مگر صبح آپ نے پوچھا کون حنین؟'' وہ ہلکا پھلکا سا شکوہ کر گئی۔

''کیونکہ میرے جاننے والوں میں دو اور حنین بھی ہیں۔ ایک اپنے نام کے دونوں N کے درمیان آئی لگاتی ہے اور دوسری ڈبل ای۔ تم کیا لگاتی ہو؟''

''ڈبل ای۔''

''گڈ! خیر آتی جاتی رہا کرو۔ سونیا' ممی سب سے ملتی رہو.... یا بھائی سختی کرتا ہے؟'' ہاشم نے مسکرا کر پوچھا مگر وہ بہت گہرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''سونیا اور آپ کی ممی میری عمر کی نہیں ہیں۔ اور بھائی سے اچھا میرے لیے دنیا میں کوئی نہیں ہے۔'' وہ بھی مسکرا کر بولی مگر بھائی کا والی انداز میں ذکر اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ ہاشم مزید کچھ کہتا مگر کان میں کوئی آواز آئی۔ وہ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا۔ پھر کان میں موجود آلہ انگلی

سے دبا کر بولا۔

''ہاں خاور بولو!''

''سر! آپ وہیں رکیے۔ میں آرہا ہوں'' خاور لان میں تھا اور ادھر آرہا تھا۔ ہاشم وہیں رک گیا مگر پھر کوئی اور مل گیا تو وہ ان کا حال احوال پوچھنے کھڑا ہو گیا۔ خاور منتظر سا کھڑا رہا۔ وہ فارغ ہو کر اپنے چیف سیکیورٹی آفیسر کی طرف مڑا۔

''کیا ہوا؟'' استفسار میں سختی تھی۔

''آپ کو یہ دیکھنا چاہیے۔'' خاور نے ٹیبلٹ آگے کیا۔ اس کی اسکرین پہ پانچ کیمروں کی فوٹیج آرہی تھی۔ خاور نے ایک پہ انگلی رکھ کر اسے بڑا کیا۔ ہاشم نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ وہ اس کے کمرے کے بند دروازے کا منظر تھا۔ خاور نے اسے تیزی سے ریوائینڈ کیا اور پھر پلے کیا۔

سیڑھیوں سے دو چار لوگ اترتے چڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں ایک سیاہ سوٹ اور گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بھی تھا جو سر جھکائے زینے پھلانگتا اوپر گیا۔ ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر دروازہ بند کیا۔

ہاشم کو لگا اس کے منہ پہ کسی نے دروازہ دے مارا ہو۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ابھری' مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''یہ کتنی دیر پہلے کی ہے؟''

''تیرہ منٹ!''

اور تیرہ منٹ قبل جب وہ ہاشم کے کمرے میں آیا تو اس نے لیپ ٹاپ میں فلیش لگانے میں تین سیکنڈ بھی نہ لگائے تھے۔ لیپ ٹاپ بند رہا مگر فلیش کی بتی چمکنے لگی۔ اس نے پنجوں کے بل کارپٹ پہ بیٹھے تیزی سے ٹیب کھولا۔

''آپ کی ڈیوائس کا رابطہ ایک ہارڈ ڈرائیو سے ہو چکا ہے۔ کیا آپ تمام ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟''

''بہت خوشی کے ساتھ!'' دھڑکتے دل سے اس نے یس دبایا۔ پاس ورڈ اس نے ''سونیا'' ٹائپ کیا۔ ہر اسکنل' سعدی نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

ڈیٹا کاپی ہونے لگا۔ دس فیصد' بیس فیصد.... چالیس.... وہ بار بار مضطرب نظروں سے بند دروازے کو دیکھتا.... پچپن فیصد.... ساٹھ....

نیچے کھڑے ہاشم نے شعلہ بار نظروں سے خاور کو دیکھا۔

''تیرہ منٹ سے وہ میرے کمرے میں ہے اور تم اب بکواس کر رہے ہو؟'' وہ دبا دبا سا گرجا۔ خاور تھوک نگلتے پیچھے ہوا۔

''سر! آپ کسی سے بات کر رہے....''

''دو بندوں کو لے کر میری بالکونی پہ جاؤ۔ میں ادھر سے جاتا ہوں۔'' ساری شائستگی' مہمان نوازی دفعان کر کے وہ تیز تیز زینے تک آیا....

''ستر فیصد.... تہتر.... پچھتر۔'' سعدی بے چینی سے انگلیاں مروڑ رہا تھا۔

ہاشم کوٹ کا بٹن کھولتے زینے پھلانگ رہا تھا۔ کسی آندھی طوفان کی طرح۔ وہ جیسے ابھی جا کر سعدی کو گریبان سے دبوچ لینا چاہتا تھا' اس الو کے پٹھے نے ''ہاشم بھائی'' کو ابھی بہت انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا۔

''پچاسی.... نوے۔'' سعدی نے فلیش انگلیوں سے پکڑ رکھی تھی۔ گنتی ختم ہوا اور وہ اسے کھینچ لے۔ ماتھے پہ پسینہ تھا۔

ہاشم نے دھاڑ سے دروازہ کھولا۔ غصے سے بھری اس کی نگاہیں آگے پیچھے دوڑیں۔

کمرا خالی تھا۔ سعدی وہاں نہیں تھا۔ البتہ.... ہلتا ہوا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ بالکونی کا دروازہ پورا کھلا تھا۔

وہ اندھا دھند باہر بھاگا۔ بالکونی میں بھی وہ نہ تھا۔ وہ تیزی سے بیرونی زینے اترنے لگا۔ اس طرف لان خالی اور نیم اندھیرا تھا۔ خاور اور دو سوٹ پہنے آدمی بھاگتے ہوئے ادھر آرہے تھے۔ ہاشم کا ماتھا بھیگنے لگا۔ وہ کہاں گیا؟

اندر خالی کمرے میں حرکت ہوئی۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر سعدی آہستہ سے نکلا اور اسی آہستگی سے کمرے سے باہر آکر دروازہ بند کر دیا۔

''کیا ہے ہاشم بھائی! کہ آج کل کے بچے تھوڑے سے زیادہ اسمارٹ ہیں۔'' کان کھجاتے ہوئے اس نے معصومیت سے خود کلامی کی اور اسی اعتماد سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

داخلی دروازے کے قریب دیوار پہ بہت سے ڈیجیٹل فوٹو فریم آویزاں تھے۔ ان میں تصاویر سلائیڈ شو کی صورت حرکت کر رہی تھیں۔ حنین اور سیم باتیں کرتے ہوئے کافی شوق سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ ہاشم' نوشیرواں وغیرہ کی تصاویر۔ بچپن' یونیورسٹی۔

سعدی ابھی سیڑھیاں اتر کر آیا ہی تھا کہ۔

''ہئے سعدی!'' نوشیرواں جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک مجسمے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا' پکار کر بولا۔ سعدی گھوما۔

وہ عادتاً بغیر کوٹ کے سنہری شرٹ پہ سیاہ ویسٹ میں ملبوس تھا اور استہزائیہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''اپنے بہن بھائی کو لے آیا کرو نا کبھی ادھر۔ دیکھو کتنے ایکسائٹڈ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے شاید ایسی چیزیں پہلے نہیں دیکھی ہیں۔''

سعدی نے ایک نظر دور کھڑے دونوں پہ ڈالی۔ ''ہاں! انہوں نے تم جیسی چیزیں کم ہی دیکھی ہیں۔'' مگر نوشیرواں نے جیسے نہیں سنا۔

''مگر ان کا قصور نہیں ہے۔ غربت اور چھوٹا خاندان بہت بڑی مصیبت ہے۔'' تاسف سے کہتے اس نے سر ہلایا۔

''اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھڑک کر تمہارے اوپر حملہ کروں اور تم سب میں میرا تماشا بناؤ تو ایسا نہیں ہوگا۔ میں مہمان ہوں۔ آداب مہمانی مجھے آتے ہیں۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ مڑ گیا۔ اس کا رخ داخلی دروازے کی سمت تھا۔

''تمہاری بہن کافی بڑی ہوگئی ہے۔'' نوشیرواں نے پھر پکارا۔ اب کے حملہ مختلف نوعیت کا تھا۔

سعدی کے قدم زنجیر ہوئے۔ اس نے گردن موڑی۔ آنکھوں میں سرخی ابھری' لب بھنچے' مگر اس سے پہلے کہ وہ جھپٹ کر بھنچی ہوئی مٹھی کو نوشیرواں کے چہرے تک لے کر جاتا۔

''اے.... کیا بولا ہے؟ کس کی بہن کی بات کی ہے ہاں؟'' فارس برہمی سے بولتا تیز تیز قدم اٹھاتا ادھر آرہا تھا۔ ایسے کہ وہ جو سعدی سے دو انچ لمبا تھا' سعدی کے آگے آکر نوشیرواں کی طرف بڑھا۔

نوشیرواں واقعی گڑبڑایا تھا۔ اس نے فارس کو آتے نہیں دیکھا تھا۔ مگر لاپروائی سے شانے جھٹکے۔

''ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟'' وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

''بکواس مت کرو.... میری بہن کی بیٹی کا نام مت لینا آئندہ.... ورنہ ہاتھ پاؤں سلامت نہیں رہیں گے تمہارے۔ بات سمجھ میں آئی یا نہیں' ہاں؟'' گھورتے ہوئے انگلی سے اس کے سینے کو دھکیلا۔ تب ہی ہاشم نے آکر تیزی سے دونوں ہاتھوں سے دونوں کو دور کیا۔ وہ ابھی ابھی سیڑھیاں اترتا ادھر آیا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہوا ہے؟'' صلح جو انداز میں اس نے فارس کا کندھا تھاما۔ مگر فارس نے جھٹکے سے چھڑایا اور طیش بھری نگاہوں سے ہاشم کو دیکھا۔

''اپنے بھائی کو سمجھا لو۔ اس طرح کی بکواس آئندہ کی تو میں زبان سے جواب نہیں دوں گا۔'' اردگرد موجود لوگ دیکھنے لگ گئے تھے۔ دور کھڑے حنین اور سیم بھی متوجہ ہو گئے۔ ماموں اور نوشیرواں مدمقابل تھے۔

''اچھا... ٹھیک ہے.... میں معذرت کرتا ہوں.... تم ٹھنڈے ہو جاؤ۔''

کہتے ہوئے وہ بار بار سرد نگاہوں سے سعدی کو بھی دیکھتا۔ فارس ''ہونہہ'' کہہ کر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ اور سعدی ہاشم سے نگاہ ملائے بغیر اپنے بہن بھائی کی طرف چل دیا۔

''میرا قصور نہیں تھا بھائی.... میں نے....''

''تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔'' ہاشم نے اس سے اور خاور سے سختی سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

''وہ مجھے چکمہ دے کر نکل گیا۔ میری ناک کے نیچے وہ میرے کمرے میں گھسا اور....'' اس نے غصے سے کہتے کاؤچ کو ٹھوکر ماری۔ خاور کمرے کی ہر شے چیک کر رہا تھا۔ کمروں کے اندر کیمرے نہیں تھے' سو اس کے آنے کا مقصد واضح نہ تھا۔

''مگر وہ اندر کیوں آیا تھا؟'' نوشیرواں ہکا بکا رہ گیا۔ پھر حیرت کی جگہ طیش نے لے لی۔

''میں اس کو چھوڑوں گا نہیں۔ اس کی اتنی ہمت۔'' وہ غصے سے کھولتا دروازے کی طرف بڑھا۔ ہاشم نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

''چپ کرو.... فارس اور تم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اس کی طرح ہر وقت ہاتھ کی زبان مت استعمال کیا کرو۔''

''مگر سر! وہ اندر کیوں آیا تھا؟''

''کچھ لینے آیا تھا یا کچھ رکھنے۔ پورے کمرے کو ڈی بگ کرو۔ مائیکروفون' کیمرہ سب ڈھونڈو.... اگر وہ جاسوس ہے تو اب تحمل سے تماشا دیکھے گا۔ اور اگر وہ چور ہے تو سب سے پہلے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔'' ہاشم تیز تیز چیزیں الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ ڈسٹرب تھا۔ غصے میں تھا۔ مگر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''وہ جیسے ہی ایگزٹ پہ پہنچے' تم اسے روکو گے۔ مجھے ایسے مت دیکھو۔ جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' خاور کو جھڑک کر وہ کہنے لگا۔

''اور ڈی اے؟''

''بھاڑ میں گئی ڈی اے۔''

وہ باہر آیا تو فیونا ٹرے اٹھائے جا رہی تھی۔

''میری اینجیو سے نیکلس لے کر ممی نے کہاں پھینکا تھا؟'' وہ اس کا راستہ روک کر بولا۔ فیونا ایک دم رک گئی۔

''اسی گملے میں۔ کسی نوکر کی ہمت نہیں ہوئی کہ....''

''میرا ایک کام کرو۔'' وہ جلدی جلدی اسے سمجھا رہا تھا۔ فیونا سر ہلاتی الرٹ سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پہ پسینہ تھا اور رنگ بھی زرد تھا۔ ہاشم ٹھیک نہیں تھا۔

.....❖❖❖.....

ہم گھوم پھر کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں

''بس اب گھر جا رہے ہیں۔'' دونوں کو ساتھ لے کر لان کی طرف جاتے سعدی نے بتایا۔ تب ہی پیچھے سے آتی ملازمہ اس سے ٹکرا گئی۔ ٹرے گری' برتن بکھر گئے۔

''آئی ایم سوری.... سوری.... پلیز۔'' فیونا بوکھلاتے ہوئے معذرت کرتی برتن سمیٹنے لگی۔ سعدی نے ''اٹس اوکے'' کہہ کر کوٹ ذرا سا جھاڑا اور آگے بڑھ گیا۔

''ابھی چلے جائیں؟ مگر ابھی تو کھانا بھی نہیں لگا؟'' حنین نے لان میں اپنی میز تک آ کر دبا دبا سا احتجاج کیا۔ سیم خاموش رہا۔ وہ وجوہات سے لاعلم تھے۔ مگر لاؤنج کا جھگڑا دیکھ چکے تھے۔

''کھانا کسی اچھے ریسٹورنٹ سے کھائیں گے۔ بس چلو یہاں سے۔'' سعدی نے زمر کو دیکھا۔ وہ اکیلی کھڑی تھی اور وہ جلد بھلا ہونے والوں میں سے کبھی نہیں تھی۔ سو فوراً راضی ہوگئی۔ وہ اس ماحول سے فرار چاہتی تھی۔

''ہاں چلو.... بڑے ابا نے بھی جلد آنے کو کہا تھا۔''

جواہرات سے اسی نے اجازت لی۔ اس کے اصرار اور حیرت کے باوجود۔ وہ واپس آئی اور چلنے کا اشارہ کیا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پہ ہاشم ان ہی کو دیکھ رہا تھا۔ کان کا آلہ انگلی سے دبایا۔ ''اس کو بغیر تلاشی کے مت جانے دینا۔'' وہ دھیرے سے بولا تھا۔

''رائٹ سر!'' ایگزٹ پہ سوٹڈ بوٹڈ کھڑے ریٹائرڈ کرنل خاور نے سن کر سر ہلایا۔ پھر ان کی طرف مڑا جو زمر کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ زمر سنجیدگی سے آگے بڑھ جاتی مگر خاور نے کھنکھار کر متوجہ کیا۔

''میم.... سر.... ذرا زحمت ہوگی آپ کو.... پلیز....'' زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ سعدی کا حلق خشک ہوا۔ گڑبڑ....

''کیا ہوا؟''

''دراصل.... مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہوگیا ہے اور....'' خاور کی سمجھ میں نہیں آیا وہ ڈی اے (ڈسٹرکٹ اٹارنی) سے کیا کہے۔ ڈی اے کو ادھورے فقرے سمجھنے میں دیر نہیں لگتی تھی۔

''اچھا.... مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہوا ہے اور اب آپ ہماری تلاشی لینا چاہتے ہیں؟''

''نہیں میم.... دراصل.... جو لوگ گھر کے اندر گئے تھے' ان کو....''

''مگر ہم تو ہاتھ دھونے گئے تھے۔'' حنین نے ایک دم روہانسی ہو کر کہا۔ خاور نے بات سنبھالنی چاہی مگر زمر کے تو سر پہ لگ چکی تھی۔

''اچھا....! آپ کا مطلب ہے کہ میرے بچے چور ہیں؟''

''میم.... سعدی صاحب اندر گئے تھے تو میرے پاس فوٹیج....''

''ایک منٹ پہلے حنین اور سیم چور تھے۔ اب سعدی ہوگیا اور اگلے منٹ میں' میں ہوں گی؟ اور اب آپ ہمیں چوروں کی طرح لائن اپ کر کے ہماری تلاشی لینا چاہتے ہیں؟''

''نہیں.... آپ کی نہیں۔''

''میری فیملی کے بچے ہیں یہ.... ان کی تلاشی لینے سے پہلے آپ کو میری تلاشی لینا ہوگی۔ مگر اس اندھیرے کونے میں نہیں' وہاں ان مہمانوں کے سامنے دوں گی میں تلاشی۔ تاکہ ان کو بھی پتا چلے کہ آپ لوگ عزت سے بلا کر عزت سے کیسے رخصت کرتے ہیں۔'' زمر کا حال بگڑ گئی تھی۔

ہاشم اچنبھے سے ان کو دیکھتا اس طرف آ رہا تھا۔

''زمر....! سعدی....! کھانا لگنے والا ہے۔ آپ لوگ اتنی جلدی کیسے جا رہے ہیں؟'' زمر نے چہرہ گھما کر تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

''میں بہت زیادہ سراہوں گی اس بات کو ہاشم! اگر آپ اپنی اداکاری پس پشت ڈال دیں۔ کیونکہ میں نہیں مان سکتی کہ آپ کا گارڈ آپ کے کہے بغیر ہمیں یوں روک سکتا ہے۔''

''مگر.... کیا ہوا ہے؟ خاور؟'' ہاشم نے حیرت اور الجھن سے خاور کو دیکھا جو نفی میں سر ہلاتا کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

''آپ کی ممی کا نیکلس چوری ہوا ہے۔ ہماری تلاشی لینی ہے۔'' حنین نے بے بسی سے کہا۔

''تلاشی.... واٹ؟'' ہاشم نے بے یقینی سے خاور کو دیکھا۔ سعدی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب قدرے اطمینان سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ خاور اس کے مکرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ گڑبڑا گیا۔

''سر! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' جلدی سے سنبھل کر بولا۔

''یہ میرے مہمان ہیں خاور!'' وہ دبا دبا سا اس پہ برسا۔ زمر نے سر جھٹکا۔

''اپنی وضاحتیں محفوظ رکھیں ہاشم! آپ میرے بھتیجے کو فارس کا بھانجا ہونے کی سزا نہیں دے سکتے۔''

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا اور ہاشم نے بھی۔ زمر نے اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔

''نہ میں آج پیدا ہوئی ہوں نہ آپ.... سعدی فارس کے لیے کوشش کر رہا تھا۔ سو جب وہ رہا ہوا تو اتنے عرصے بعد آپ کو سعدی کو انوائٹ کرنے کا خیال آ گیا۔ آپ کو جاننا تھا کہ فارس کیسے رہا ہوا یا پھر سعدی کو اس بات کی سزا دینی تھی۔ مقصد جو بھی تھا' آپ میرے بھتیجے کو یوں بے عزت نہیں کر سکتے۔ آپ کے اور فارس کے خاندانی جھگڑوں سے ہمارا تعلق نہیں ہے۔''

''میری بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھ رہی ہوں' چلو۔''

زمر کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ حنین اور سیم جھٹ پیچھے ہو لیے۔ سعدی آخر میں نکلا اور پھر مڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم بالکل بدلی ہوئی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ سعدی جلدی سے پلٹ گیا۔

''سر....!'' خاور نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھا جو یقیناً کچھ لے کر گیا تھا۔

''جانے دو اسے۔ آج جانے دو۔'' وہ کڑواہٹ سے کہتا پلٹ گیا۔ پیچھے کھڑے نوشیرواں نے تلملاہٹ سے یہ سب دیکھا تھا۔

''آپ اس کی پھپھو سے ڈر گئے؟ اس کو کیوں جانے دیا؟''

''میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ آگے موقع آئے گا۔''

''اور اس کو بتایا کیوں نہیں کہ اس کی بہن نے صبح کیسے آپ سے مدد مانگی تھی؟'' نوشیرواں اس کے ساتھ چلتا کھولن سے کہہ رہا تھا۔ اس کے دل میں سعدی کی رقابت کے انگارے دہکنا کم نہیں ہوئے تھے۔

''بتاؤں گا۔ جب اس کے منہ پہ تھپڑ مارنا ہو گا تب بتاؤں گا۔'' وہ تلخی سے بڑبڑاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

''مگر بھائی....''

''مہمانوں سے بھرا پڑا ہے گھر۔ میں کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتا ابھی۔'' اس نے ساری بات ہی ختم کر دی۔

.....❖❖❖.....

اپنے ہی ہوتے ہیں جو دل پہ وار کرتے ہیں محسن غیروں کو کیا خبر دل کس بات پہ دکھتا ہے

سڑک تاریک تھی۔ مگر سنسان نہیں۔ ٹریفک چل رہی تھی۔ سعدی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور سیم پچھلی سیٹ پہ آنکھیں موندے پڑا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ ہاشم اس حد تک جا سکتا ہے۔'' زمر ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی تلخی سے بولی تھی۔ بھنویں ابھی تک ناراضی سے بھنچی تھیں۔

''پھپھو....ان کے گارڈ کی غلطی پہ ان کو بلیم مت کریں۔اس سب میں ہاشم بھائی کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' پیچھے بیٹھی حنین تیزی سے آگے ہوئی۔

''حنین! ملازم مالک کے اشارے کے بغیر اتنا بڑا کام نہیں کیا کرتے اور ہاشم کے ملازم تو کبھی بھی نہیں۔''

''پھپھو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ہاشم بھائی ہمیں بے عزت کرنا چاہتے تھے۔'' سعدی نے کہتے ہوئے کار روکی۔

''میرا ریسٹورنٹ جانے کا دل نہیں ہے سعدی! کچھ ٹیک اوے کر لیتے ہیں۔'' زمر اکتائی ہوئی بول رہی تھی۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے حنین کو اشارہ کیا کہ وہ پچھلی سیٹ پہ پڑے اس کے کوٹ سے والٹ نکال دے۔ادھر حنین نے کوٹ اٹھایا' ادھر زمر نے پرس کھولا۔

''پھپھو! میں دے رہا ہوں۔حنہ! والٹ دو میرا۔'' اب کے سعدی کو درشتی سے کہنا پڑا کیونکہ حنین والٹ نہیں دے رہی تھی۔حنین نے والٹ نکالا بھی نہیں تھا۔اس نے کچھ اور نکالا تھا۔

کسی احساس کے تحت زمر اور سعدی نے پلٹ کر دیکھا۔وہ دو انگلیوں میں جگمگاتا نیکلس اٹھائے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔زمر کی نگاہیں وہیں ٹھہر گئیں۔سانس رک گیا اور سعدی کو تو اپنے اردگرد ہر آواز آنا بند ہو چکی تھی۔

''یہ....کوٹ میں تھا....'' حنین نے الجھن و پریشانی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''یہ مسز کاردار کا ہے۔میں اسے پہچانتی ہوں۔'' سرد آواز میں وہ بولی اور ان ہی برفیلی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

''یہ ادھر کیسے....؟'' اور تب ہی حیران پریشان سعدی یوسف نے چونک کر زمر کے تاثرات دیکھے۔''نہیں پھپھو! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''سعدی! گاڑی چلاؤ۔'' وہ سیدھی ہو گئی۔چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''پھپھو! آپ کو لگتا ہے کہ یہ میں نے چرایا ہے؟ میں چور ہوں؟'' ہکا بکا سعدی کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا۔

''سعدی! گاڑی چلاؤ۔''

''یہ ہاشم نے مجھ پہ پلانٹ کیا ہے۔اس نے مجھ پہ سیٹ اپ کیا ہے۔میں آپ کو سب بتاؤں گا مگر مجھ پہ اعتبار تو کریں۔''

''اعتبار؟'' زمر نے دکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔''اور اگر وہاں تمہاری تلاشی لی جاتی اور یہ تمہارے پاس سے نکلتا تو کیا میں اس شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہتی سعدی؟ میں نے تمہیں یہ سب نہیں سکھایا تھا۔تم وہ سعدی نہیں ہو جس کو میں جانتی تھی۔''

سعدی نے بے بسی سے اسٹیرنگ پہ ماتھا مارا۔

''میں نے اگر یہ چرایا ہوتا تو کیا کوٹ اتار کر یوں پھینک دیتا؟ میں ایسا کر سکتا ہوں کیا؟''

''بھائی چوری نہیں کر سکتا۔کبھی بھی نہیں۔یہ کسی نے بھائی کی جیب میں ڈالا ہوگا۔'' حنین سے مزید برداشت نہیں ہوا تھا۔

''کسی نے نہیں' ہاشم نے۔یہ سب اس کا کیا دھرا ہے۔''

''سعدی! مجھے گھر ڈراپ کر دو۔ابھی اور اسی وقت۔'' وہ رخ موڑ کر شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب کہ آپ کو ڈراپ کر دوں؟ آپ مجھے اتنے کرائسز میں یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتیں زمر۔''

جذبات کی انتہا تھی کہ اس کے لبوں سے ''زمر'' نکلا۔وہ جو اکیس برس ''زمر'' رہی تھی اور پچھلے چار سال کی سرد مہری کی دیوار کے بعد ''پھپھو'' بنی تھی' اس کو یہ لفظ چابک کی طرح لگا۔بہت تڑپ کر اس نے سلگتی نظروں سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

''اور میرے کرائسز میں تم میرے ساتھ تھے؟ یہ تو ایک چوری ہے۔تم اچھا وکیل کر لو تو دنیا کی کسی بھی عدالت میں خود کو بے گناہ

ثابت کروالو گے۔ یہ کرائسز نہیں ہے۔ کرائسز وہ تھا جس میں تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔ تمہیں پتا ہے سعدی! جب کسی کی کمر چیر کر گردہ نکالا جائے تو کیسی تکلیف ہوتی ہے؟ تم کبھی بھی وہ تکلیف نہیں سمجھ سکتے اور بات کرتے ہو کرائسز کی۔''

سعدی بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ حنین کو لگا وہ نیلا پڑ جائے گا۔ مگر وہ نہیں پڑا۔ ہرز ہر نیلا نہیں کرتا۔

''آپ نے آج کہہ ہی دیا۔''

زمر نے سر جھٹک کر رخ موڑ لیا۔ اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ پڑ رہی تھیں۔

''ڈراپ می!'' اس کو دیکھے بنا دو لفظ بولے۔ حنین بس اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔

''آئی ایم سوری! میں آپ کے پاس نہیں تھا۔ میرا ٹیسٹ تھا پھپھو! اور میں فیل نہیں ہونا چاہتا تھا۔'' حنین کو لگا سعدی کی آنکھوں میں آنسو ہیں یا شاید اس کی اپنی آنکھیں نم تھیں۔ وہ دل گرفتہ سی پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

''اٹس او کے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

زمر نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ گھر آیا تو وہ خاموشی سے گاڑی سے اتر گئی اور امی البتہ اتنی خاموشی سے آ کر نہیں بیٹھی تھیں۔ ان کے پاس سوال تھے۔ کیا رہا؟ کون کون ملا؟ کھانے میں کیا تھا؟ مگر حنین اور سعدی کے پاس ان کے جواب نہ تھے۔

سعدی نے حنین کو پہلے ہی کچھ بتانے سے منع کر دیا تھا کہ امی دل کی مریض تھیں۔

سیم دنیا و مافیہا سے بے خبر نیم دراز سو رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

ان کے جلووں کو زندگی کہہ کر ..... اپنی نظر کا وقار کھو بیٹھے

کنٹرول روم میں اندھیرا تھا۔ صرف بڑی اسکرینز کی روشنیاں ان کے چہروں کو چمکا رہی تھیں۔ ہاشم ٹانگ پہ ٹانگ جمائے مٹھی لبوں پہ رکھے پارٹی کی فوٹیج دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں جیبوں میں ہاتھ ڈالے دیوار کے ساتھ کھڑا تھا اور جواہرات بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

خاور کنٹرول پہ بٹن دباتا ویڈیوز آگے پیچھے کر رہا تھا۔

''سارا گھر ڈی بگ کروالیا ہے۔ اس نے کچھ نہیں رکھا۔ میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہاری پوری فوج کی موجودگی میں وہ ہاشم کے کمرے میں داخل کیسے ہوا؟'' وہ ضبط کھو کر خاور پہ برس پڑی۔

''اس نے کچھ نہیں رکھا۔ وہ کچھ لے کر گیا ہے۔'' ہاشم غور سے اسکرین کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اور ڈی اے اس کے ساتھ ملی ہوئی تھی؟'' نوشیرواں کو اپنے علاوہ ہر ایک پہ شک تھا۔

''ناممکن....'' پھر ایک دم ہاشم سیدھا ہوا۔ ''اسے.... اسے پیچھے کرو۔''

خاور نے ریوائنڈ کیا۔ کیک ٹیبل پہ شہرین کیک کاٹ رہی تھی۔ پھر اس نے سونیا کی پلیٹ سے دل نکال کر ایک ڈش پہ رکھا۔ اب وہ فیونا سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر فیونا ڈش اٹھائے سعدی کی ٹیبل تک گئی۔ نظروں کے تبادلے۔ ہاشم کے لب بھنچ گئے۔

''یہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟'' جواہرات کو حیرت ہوئی۔ حالانکہ وہ اس کے سامنے کئی دفعہ ملے تھے۔

''وہ اتنے سال میری بیوی رہی ہے اور سعدی فارس کا بھانجا ہے۔ وہ یقیناً ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔'' ہاشم اکتا کر بولا۔ نگاہیں ابھی تک ان پہ تھیں۔

''اس دل پہ سونیا لکھا ہوا تھا نا؟ اس نے یہ سعدی کو کیوں بھجوایا؟''

''یوں ہی مہمان نوازی کر رہی ہوگی۔'' نوشیرواں نے حمایت کرنے کی سعی کی۔ جواہرات نے خاموشی سے اسے گھورا۔ وہ چپ ہو گیا۔

ہاشم ایک دم اٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ بمشکل ایک منٹ بعد وہ اسی طرح واپس آیا۔

''خاور! باہر جاؤ۔'' تحکم سے کہا تو خاور فوراً باہر نکل گیا۔

''میرا لیپ ٹاپ باہر کیوں نکالا پڑا ہے؟ کس نے نکالا تھا؟'' پھر اس نے چونک کر نوشیرواں کو دیکھا۔ ''تمہیں میرا پاس ورڈ کیوں چاہیے تھا؟''

''وہ.... شہری کو آپ کے ہنی مون کی پکچرز....''

''تم نے اس کے سامنے میرا پاس ورڈ ڈالا؟'' وہ غیض وغضب سے غراتا ہوا اس کے سر پہ پہنچا.... نوشیرواں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''جی مگر....''

''اس مطلب پرست عورت کے پاس سب تصویریں ہیں۔ اس نے تمہیں استعمال کیا میرا پاس ورڈ لینے کے لیے اور یہ.... یہ تمہاری شہری نے اس گھٹیا آدمی کو میرا پاس ورڈ دے دیا.... یہ...'' وہ ہذیانی انداز میں چلاتا اسکرین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''نہیں.... شہری ایسا نہیں کر سکتی۔'' نوشیرواں شاکڈ تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کیوں چھوڑا تھا میں نے اسے؟ وہ ایک مطلب پرست عورت ہے۔ مکار اور خودغرض.... اس نے سعدی کے لیے تمہیں استعمال کیا اور اس نے پتا نہیں میرا کمپیوٹر کھول کر کیا کیا دیکھا ہوگا۔'' ہاشم کا سر چکرا کر رہ گیا۔

''شہری ایسا نہیں کر سکتی بھائی! آپ کو....''

''بکواس بند کرو!'' ہاشم نے اسے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگایا اور سرخ پڑتی آنکھیں اس کی ششدر آنکھوں میں گویا گاڑ کر بولا۔ ''میں نے اگر کسی چیز کو اگنور کیا ہے تو اس لیے کہ شاید تمہیں خود ہی عقل آ جائے۔ وہ تم سے شادی کرے یا کسی سے بھی، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اچھا ہوگا اگر تم خود اس بے وقوفوں کی جنت سے باہر نکل آؤ۔''

جھٹکے سے اس نے دم بخود کھڑے نوشیرواں کا گریبان چھوڑا۔ پھر بالوں میں ہاتھ پھیرتا چلتا ہوا خود کو پرسکون کرنے لگا۔ جواہرات اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

''وہ جانتی ہے تم اسے پسند کرتے ہو۔'' اب کے وہ بولا تو لہجہ نسبتاً نرم تھا۔ ''اور وہ اتنی خودغرض ہے کہ تمہیں دھوکا دینے میں اس نے لمحہ نہیں لگایا اور وہ بھی اس سعدی کے لیے۔ پتا نہیں اس نے تیرہ چودہ منٹ میں کیا کیا دیکھا ہوگا۔'' وہ تھک ہار کر کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''تم نے.... اتنے اہم ڈاکومنٹس لیپ ٹاپ میں کیوں رکھے تھے؟''

''اچھا اب میں اپنی رگوں سے خون بھی نکال لوں اس ڈر سے کہ کوئی خنجر نہ گھونپ دے؟ اور بہت کم ڈاکومنٹس ہیں لیپ ٹاپ میں اور وہ بھی سیکیورٹی کی تہوں میں۔''

نوشیرواں نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ اسے یقین آ گیا تھا اور اسی لیے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ جواہرات نے اس کی کہنی کو نرمی سے چھوا۔

''اس سب میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ دس پندرہ منٹ میں وہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا۔''

ہاشم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''یہ تمہاری غلطی نہیں ہے شیرو! جاؤ جا کر سو جاؤ۔ اور رہی شہرین، تو تم اس سے کوئی رشتہ جوڑنا چاہتے

ہوتو جوڑلو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔بس سوچ سمجھ کر کرنا جو بھی کرنا۔ جاؤ....شاباش' آرام کرو۔''

وہ بڑے بھائی سے باپ بننے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔''سوری بھائی۔''اس سے نگاہ ملائے بغیر شیرو نے بہت سی باتوں کی معذرت ایک ساتھ کی اور کمرے سے نکل گیا۔ جواہرات حیران نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو کیا لگا تھا؟ میں نہیں جانتا؟''

''مجھے یہ لگ رہا ہے کہ شاید میں ہی تمہیں نہیں جانتی۔''وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔ پھر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر دبایا۔

''وہ کل کا بچہ....وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا....اور اگر کچھ کیا بھی تو میرے پاس اس کا حل ہے۔ جاؤ چینج کرو اور سو جاؤ۔''

ہاشم نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔اس کا سر درد سے پھٹا جارہا تھا۔

''تم حساب دو گے سعدی۔''

.....❖❖❖.....

سب نے ملائے ہاتھ یہاں تیرگی کے ساتھ ..... کتنا برا مذاق ہوا روشنی کے ساتھ

اتوار کو سوائے سورج کے سب کچھ ہی سستی سے طلوع ہوا تھا۔ زمر فجر کے بعد سوئی تو پھر دیر سے اٹھی۔اور اس کی آنکھیں ابھی تک سرخ تھیں۔ گھنگھریالے بال ہاتھوں سے سمیٹتے وہ سرہانے پڑے فون کی طرف متوجہ ہوئی جو بجے جارہا تھا۔ گہری سانس لے کر اس نے کال لے لی۔

''کہیے ہاشم!''

وہ جو اپنے گھر کے اندرونی جم میں ٹریڈمل پہ بھاگ رہا تھا' بے اختیار رکا۔ ہینڈز فری کان میں پکا کیا اور تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے بولا۔

''میں اپنے ملازم کی بے وقوفی پہ معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ جو ہوا اس میں میرا قصور نہیں تھا۔''

زمر کی آنکھیں پھر سے جلنے لگیں۔ سعدی کا آخری چہرہ یاد آیا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔اس کو پالا تھا' بڑا کیا تھا۔اس کو دکھ میں دیکھ کر دکھ بڑھ جاتا تھا۔ایک غلطی پہ اتنا تو نہ سناتی۔

وہ خاموش رہی۔

ہاشم نے تولیے سے گردن کی پشت رگڑتے ہوئے دوبارہ کہا۔''اور میں کسی بھی ایسے واقعے کی وجہ سے اپنے اور آپ کے ورکنگ ریلیشن شپ کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔''

پھر جوس کی بوتل اٹھائی اور منہ سے لگائی۔ تمتماتے چہرے پہ تناؤ تھا' احتیاط تھی۔

زمر نے پیر بیڈ سے اتارے۔فون کندھے اور کان کے درمیان رکھا۔ پونی میں بال جکڑے۔

''میرا اور آپ کا ورکنگ ریلیشن شپ ون ٹو تھری پہ مبنی ہے ہاشم! ون' ہم ایک دوسرے کو اچھے سے جانتے ہیں۔ٹو' ہم ایک دوسرے کو بالکل پسند نہیں کرتے۔اور تھری' اس سب کے باوجود ہم بہت عزت سے ایک دوسرے کے کام آتے رہتے ہیں۔سو اس تعلق کو قائم رکھنے کے لیے بہتر ہے کہ ہم ظاہر کریں کل کچھ بھی نہیں ہوا۔''چپل پہن کر وہ کھڑی ہوگئی۔

''درست!''وہ ذرا سا مسکرایا۔

''مسز جواہرات کا نیکلس مل گیا؟''اس نے ذرا ٹھہر کر پوچھا۔

اور ہاشم کی آنکھوں میں بہت کچھ سمجھتی ہوئی مسکراہٹ اتری۔

''میری طرف سے وہ نیکلس جہنم میں چلا جائے۔''

''گڈ....'' زمر نے فون بند کیا تو وہ مسکراتے ہوئے مڑا۔ نوشیرواں جم میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ رات والے لباس میں تھا۔ بکھرا' مضمحل' جبکہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس ہاشم کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ ایک پرسکون نیند کے بعد جاگا ہے۔

''بھائی! مجھے معاف کر دیں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔'' وہ قریب آیا تو اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ ہاشم نے ہینڈز فری کان سے نکالتے ہوئے نرمی سے اسے دیکھا۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ شہری نے تمہیں استعمال کیا ہے۔''

یہ نام سن کر نوشیرواں کی آنکھوں میں ملال ابھرا۔ اس کی چوٹ ''صدمے'' سے ''غم'' کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ اس سے اگلا مرحلہ غصہ اور پھر انتقام تھا۔

''وہ مجھے یوں ایکسپلائٹ کرے گی' میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔'' وہ ایک دن میں جمع تعظیم کے صیغے سے واحد غیر تعظیم پہ گرا دی گئی تھی۔

''یہ بات تمہیں مجھ سے نہیں' اس سے کہنی چاہیے۔ میں سونیا کو ڈراپ کرنے ادھر جا رہا ہوں۔ چینج کرو اور میرے ساتھ آؤ۔'' ہاشم نے اس کا کندھا تھپکا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر بڑے بھائی کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔

''اور وہ سعدی' اس کی کیا سزا ہوگی؟''

''اس کی سزا شروع ہو چکی ہے۔ وہ پکڑا گیا ہے۔ زمر نے نیکلس اس کی جیب سے برآمد کر لیا ہے۔ ابھی کال کی تھی اس کو۔''

''ڈی اے (ڈسٹرکٹ اٹارنی) نے خود بتایا؟'' وہ حیران ہوا۔

''اس کے لہجے نے بتایا۔ اس نے خود نیکلیس کا پوچھا۔ اس کی آواز سے پتہ چل رہا تھا کہ سعدی اپنا اعتماد کھو چکا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔'' نوشیرواں کے شانے کو تھپتھپا کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ادھر زمر کے گھر میں صداقت بڑے ابا کی چائے لیے ان کے کمرے تک آیا تو دیکھا وہ فون پہ بات کر رہے تھے۔ چہرہ جھکا تھا اور آواز تھکی تھکی سی لگتی تھی۔ صداقت چائے رکھ کے خاموشی سے چلا گیا۔ ادھر وہ فون پہ کہہ رہے تھے۔

''کیا واقعی ایسا ہوا؟''

تم لمحے بھر کے لیے یہاں سے دور واقع چھوٹے باغیچے والے گھر میں آؤ تو لاؤنج میں حنین صوفے پہ بیٹھی فون کان سے لگائے برہمی سے کہہ رہی تھی۔

''ابا زمر پھپھو نے بھائی کی بہت انسلٹ کی۔ ان کو اس کا حق نہیں تھا۔''

''وہ نیکلیس آیا کہاں سے؟''

''کسی نے ڈال دیا ہوگا بھائی کی جیب میں۔ میرا بھائی کوئی چور تھوڑا ہی ہے۔''

''ہاشم۔'' ابا نے سر جھٹکا۔ ''مجھے وہ ہمیشہ ناپسند رہا ہے۔ مگر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ گھر آئے مہمانوں کے ساتھ یہ کرے گا۔''

''ہاشم بھائی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ ترنت بولی تھی۔ ''زمر پھپھو کا قصور ہے۔ وہ فارس ماموں کی رہائی کا بدلہ بھائی سے لے رہی ہیں۔ ان کو ماموں سے.... بہت... بہت...'' دور اندر حنین کے اندر کچھ ڈوب کر ابھرا۔ سمجھ نہیں آیا کون سا لفظ استعمال کرے اور اسے کیا تعبیر دے۔ پھر دل کو سخت کر کے بولی۔ ''ان کو ماموں سے بہت نفرت ہے۔ اس لیے وہ ایسا کرتی ہیں۔''

''اس نے فارس کے خلاف گواہی تک واپس لے لی تھی حنین۔اور وہ کیا کرے؟''

''مگر کیا ایسے ماموں کی زندگی کے چار سال واپس آ جائیں گے؟ آپ ملے ان سے؟ نہیں نا۔ دیکھا ہے کیسے اکھڑے اکھڑے زندگی سے بے زار لگتے ہیں۔ پہلے تو جو کس بھی کرتے تھے۔مزے کی باتیں کرتے تھے۔کم گو تھے مگر جب بھی بولتے مزا آتا تھا۔اب صرف دل دکھتا ہے۔'' وہ آزردگی سے کہہ رہی تھی۔

''زمر کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھو تو وہ حق بجانب ہے۔اس کو جو جس طرح دکھایا گیا وہ کیسے یقین نہ کرتی؟''

''بات یہ ہے بڑے ابا کہ ماموں ان سے زیادہ حق بجانب ہیں۔'' یہ وہ آخری بات تھی جو حنین نے کہی تھی۔''اور آپ کب تک پھپھو کے پگھلنے کا انتظار کریں گے؟ میرا بھائی کہتا ہے کہ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھنا تو کل نہیں سستی ہوتا ہے۔کچھ تو کرنا پڑتا ہے ابا۔ بھائی کی آنکھوں میں آنسو دیکھے میں نے کل رات۔کیا وہ اب کبھی بھائی سے اچھے سے بات نہیں کریں گی؟ بہت محبت کرتا ہے... بھائی ان سے... صرف بھائی۔۔'' آخری الفاظ کہتے ہوئے اس نے خود سے بھی نظریں چرائی تھیں۔ابا نے خاموشی سے فون رکھ دیا تھا۔

اب ان کو کچھ کرنا تھا۔

.....❖❖❖.....

خوشی کی بات نہیں ہے کوئی فسانے میں ..... وگرنہ عذر نہ تھا آپ کو سنانے میں

زمر کال ختم کر کے باہر آئی تو بڑے ابا لاؤنج میں اخبار پڑھ رہے تھے۔وہ خاموشی سے سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھی۔ بڑے ابا نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں اور ناک گلابی پڑ رہی تھی۔صداقت نے چائے لا کر رکھی تو وہ سر جھکائے چینی ملانے لگی۔

''پارٹی کیسی رہی؟ تم رات بنا بات کیے اندر چلی گئی تھیں۔''

''کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کے پوتے یا پوتی نے سویرے ہی فون کر کے ساری بات نہیں بتائی؟'' اس کی آواز بھاری تھی۔شاید وہ رات کو روئی تھی۔وہ کسی کے سامنے نہیں روتی تھی۔وہ مضبوط تھی۔بڑے ابا کو ہر مضبوط انسان پہ اب ترس آتا تھا۔

''حنین نے بتایا ہے سب۔مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔''

زمر کپ لبوں سے لگا کر ٹی وی کی سمت دیکھنے لگی۔اس کا رنگین شور جاری تھا۔لاؤنج میں پھر بھی خاموشی محسوس ہوتی تھی۔دونوں منتظر تھے۔پھر وہی بول اٹھی۔

''اس کو پیسے چاہیے تھے تو مجھ سے مانگتا۔کوئی مسئلہ تھا تو مجھے بتاتا... مگر...'' شدت ضبط سے آنکھوں میں گلابی لکیریں ابھرنے لگیں۔

''تمہیں لگتا ہے اس نے چوری کی ہے؟''

''وہ نیکلس اس کے پاس سے ملا ہے۔وہ اندر کمروں میں بھی گیا تھا۔وہ اسی لیے آنے پہ راضی ہوا تھا کہ پارٹی گھر پہ ہے۔ورنہ پہلے صاف انکار کر دیا تھا۔ مجھے اس کے بعد کیا لگنا چاہیے سوائے اس کے کہ اس نے مجھے دھوکا دیا۔''

بڑے ابا تھک کر اثبات میں سر ہلانے لگے۔''ہاں وہ بڑا ہو گیا ہے۔دھوکے دینے لگ گیا ہے۔فریب کار بن گیا ہے۔ایسا ہی ہے بالکل۔''

زمر کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔''فریبی؟ اور سعدی؟'' کچھ اندر تڑپا تھا۔

''ایسے مت کہیں، طنز میں بھی نہیں۔''

''نہیں... طنز نہیں، سچ ہے یہ۔وہ کتنے آرام سے سب کو دھوکا دے دیتا ہے نا اور تمہیں تو پہلی دفعہ دھوکا نہیں دیا اس نے۔''

وہ جو دو انگلیوں سے کنپٹی مسل رہی تھی، چونک کر ان کو دیکھنے لگی۔

''کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟''

''وہ دھوکے باز ہے۔ اس سے فریب کی ہی توقع کرو زمر!'' ان کی آواز بلند ہونے لگی۔ الفاظ کی نسبت لہجہ مختلف تھا۔ عجیب تھا۔ پہلو نکا دینے والا تھا۔

''مت کہیں، کچھ مت کہیں۔'' اور وہ متوحش ہو کر ان کو روکنا چاہتی تھی۔ وہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔

''تم نے اس سے کہا وہ تمہاری تکلیف نہیں سمجھ سکتا۔ ظاہر ہے وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اس نے تو تب بھی تمہیں دھوکا ہی دیا تھا۔''

زمر کے لب ادھ کھلے رہ گئے۔ ٹوٹے کانچ سے اس کا دل زخمی کیا جا رہا تھا۔ بڑے ابا اپنی جگہ سے آگے ہوئے۔ ذرا جھکے۔ زمر کی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگے۔

''یاد ہے وہ یورپین عورت جس نے تمہیں گردہ دیا تھا؟''

زمر نے سر بھی اثبات میں نہ ہلایا۔ وہ بس ان کو دیکھ رہی تھی۔

''زمر! اس عورت نے گردہ نہیں دیا تھا۔ تمہیں وہ گردہ سعدی نے دیا تھا۔''

وہ ایک دم کھڑی ہوئی.... پھر مڑی۔ کھڑکی کے پٹ زور سے دھکیلے۔ تازہ ہوا میں دمے کے مریض کی طرح منہ کھول کر آنکھیں بند کر کے سانس لینے کی کوشش کی۔

''وہ لڑکا کتنا جھوٹا ہے نا۔ اس نے تم سے جھوٹ بولا۔ دھوکا دیا۔ سب اس نے پلان کیا تھا۔ اس کا خون، گردہ، سب تمہارے جیسا تھا۔ مگر دل تم سے بڑا تھا۔ وہ کہتا تھا یہ میرا ٹیسٹ ہے۔ میں تیمارداری کر کے نمبر بنالوں یا پڑھائی کے بہانے نظروں سے غائب ہو کر اپنا فرض ادا کروں۔ اور اگر برا بنتا ہوں تو بن جاؤں۔ مگر اس ٹیسٹ میں فیل نہیں ہونا چاہیے مجھے۔ کمر کو کاٹ کر گردہ نکالنے کی تکلیف کیا ہوتی ہے زمر، اس کو پتا ہے۔ وہ لڑکا آج ایک گردے پہ ہے۔ جب تم ہسپتال میں تھیں تو وہ بھی قریبی کمرے میں ایڈمٹ تھا۔ مگر اسے تو ہمدردی بھی نہیں ملی۔ وہ چار ماہ سے خاموشی سے تمہاری سرد مہری برداشت کرتا آ رہا ہے۔ اور تم کہتی ہو وہ تمہاری تکلیف نہیں سمجھتا؟''

اس نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔ شاید اب وہ نیلی پڑنے والی تھی۔ صرف دمے سے ہی رنگ نیلا نہیں پڑا کرتا۔

''مجھے.... کیوں نہیں بتایا؟'' رک رک کر الفاظ نکلے۔ اس سے سانس نہیں لیا جا رہا تھا۔ وہ کھڑکی کو پکڑے کھڑی تھی۔ تھکن سے آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

''بہت خوددار ہے میرا بیٹا زمر! میں نے کتنی منت کی تھی اس کی۔ مگر وہ کہتا تھا، اگر پھپھو کو پتا چلا کہ یہ میرا گردہ ہے تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ پھپھو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ میں ان کا بھائی بھی ہوں، دوست بھی، بیٹا بھی۔ وہ مجھے تکلیف سے نہیں گزار سکتیں۔ ایسے وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوں گی۔ میں آج بھی نہ بتاتا اگر تم رات اس کو یہ نہ جتاتیں۔''

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ گردہ کٹنے کی تکلیف زیادہ بڑی تھی یا دل کٹنے کی؟ اس سوال کو تو جواب کی ضرورت ہی نہ تھی۔

وہ پژمردہ نحیف چہرے کے ساتھ اس کی پشت دیکھ رہے تھے۔

''اگر آج تمہارے پاس ایک گردہ ہے تو اس کی وجہ سعدی ہے۔''

وہ دھیرے سے پلٹی۔ اس کی آنکھوں کی گلابی لکیریں سرخ پڑ چکی تھیں۔ شاید ان میں نمی بھی تھی۔ بھلے وہ انہیں نہ گرنے دے، مگر وہ بہر حال آنسو تھے۔

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آج اس کے پاس ایک گردہ ہے تو اس کی وجہ میں ہوں؟''

اور یہ سوال نہیں تھا۔ سو اس کا کوئی جواب بھی نہ تھا۔ وہ نم آنکھوں سے اس کو دیکھتے رہے۔ جواب کا انتظار اسے بھی نہ تھا۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

کھڑکی اب پوری کھل چکی تھی اور تازہ ہوا بہت امید افزا تھی۔

.....❖❖❖.....

الفت کے سودے کون کرے، نفرت کی جھولی کون بھرے ..... ہم کاروباری دنیا میں بیگانے ہی بیگانے ہیں

سیاہ بی ایم ڈبلیو اس بنگلے کے پورچ میں رکی۔ شوفر نے فوراً دروازہ کھولا۔ ہاشم باہر نکلا اور سونیا کی انگلی پکڑے اسے بھی باہر لایا۔ پھر گلا سڑا تار کر گریبان میں اٹکاتے ہوئے داخلی دروازے کو دیکھا جہاں شہرین کھڑی تھی۔ وہ ابھی اٹھی تھی مگر باب کٹ بال بالکل سیٹ تھے۔

''بائے بابا!'' سونیا سے ملنے کو وہ جھکا تو اس نے باپ کے دونوں گال چومے۔ پھر پیچھے اترتے نوشیرواں کو ہاتھ ہلایا۔

''بائے شیرو!'' وہ جو خشمگیں نگاہوں سے صرف شہرین کو دیکھ رہا تھا' بدقت مسکرا کر سر کو خم دیا۔ سونیا بھاگتی ہوئی ماں کے گلے لگ گئی جو اس کے لیے جھکی تھی۔ ان دونوں سے قطعاً بے نیاز۔

''میرا بے بی!'' آنکھیں موندے بچی کو ساتھ لگائے وہ بڑبڑائی۔ ہاشم ایک ہاتھ جیب میں ڈالے مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''بتایا ہے مجھے سونیا نے رستے میں کہ اسے کتنی خواہش تھی ہمارے ہنی مون کی تصاویر دیکھنے کی۔''

شہرین بے اختیار سیدھی ہوئی۔ نگاہیں پھسل کر خود کو چبھتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے شیرو پہ گئیں۔ اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''تو.....؟'' وہ بظاہر لاپروا تھی۔ سونیا کو سر کے اشارے سے اندر بھیجا۔

''تو تمہیں لگتا تھا تم مجھے بے وقوف بنا لو گی؟'' وہ مسکراتے ہوئے آگے آیا۔ اس کے بالکل مقابل کھڑا ہوا اور آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ اکتائی۔

''شہرین! انسان میں اتنے گٹس ہونے چاہئیں کہ اپنے عمل کی ذمہ داری لے۔ تم سے اچھا تو سعدی نکلا۔ دو ہاتھ لگائے میرے گارڈ نے تو سب بک دیا کہ کس طرح تم نے اسے پاس ورڈ دیا۔ اور ہاں' وہ بھی میری ہی بیٹی کے کیک پہ۔ تم اچھی جاسوس بن سکتی ہو ویسے۔ تم نے آئی ایس آئی کے لیے اپلائی کیوں نہیں کیا؟''

شہرین کے ابرو حیرت سے اٹھے۔ ''سعدی نے.....؟''

''اوہ..... تمہیں لگا تھا وہ نہیں بتائے گا۔''

شہرین کی آنکھوں میں غصہ اور بیزاری ابھری۔ ''میں تم سے اتنی اکتا چکی ہوں کہ تمہارے خلاف مدد مانگنے والے کو انکار نہیں کر سکتی اور کسی اچھے دوست کو تو بالکل نہیں۔''

''اوہ..... اچھا دوست..... کیا تم نے نوٹ کیا؟'' مڑے بغیر نوشیرواں سے سوال کیا۔

اور اس کو دوسری دفعہ صدمہ ہوا تھا۔ ابھی تک امید تھی کہ شاید..... مگر اب نہیں۔ غم غصے میں بدلنے لگا۔ وہ بھائی کے عقب سے نکل کر آگے آیا۔

''کیا تمہیں میں ہی ملا تھا استعمال کرنے کے لیے؟'' بھنویں بھینچے وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ بھی اس لوزر سعدی کے لیے؟ اس کو تو

میں چھوڑوں گا نہیں اور بدلہ تو میں تم سے بھی لوں گا۔''

گو کہ ہاشم یہی چاہتا تھا' مگر نوشیرواں کا پارہ کی طرح تیز چڑھتا غصہ قابو کرنے کے لیے اسے اس کی کہنی تھا منا پڑی۔ نوشیرواں سر جھٹک کر رخ موڑ گیا۔ شہرین بس ضبط سے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

''آئندہ میرے خلاف کسی کی مدد کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ پھر تمہیں ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل نہیں دیکھنے دوں گا۔ اور اگر کوئی شک ہو تو پہلی قسط تم تین دن بعد تب دیکھو گی جب تم چھٹیوں پہ دبئی اکیلی جاؤ گی۔ سونیا کو اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ دو دن گزار لو اس کے ساتھ۔''

شہرین کے تاثرات بدلے۔ بے چینی' پریشانی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

''ہاشم! سونیا میرے ساتھ جائے گی۔ یہی طے ہوا تھا۔''

''طے کرنے والا میں تھا' منسوخ بھی میں کر رہا ہوں۔'' مسکراہٹ غائب تھی اور وہ درشتی سے چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ ''خلع کے وقت اپنی بیٹی میں نے تمہارے حوالے کی کہ تم ماں تھیں۔ سو میں نے تم پہ احسان کیا تھا۔ تب سے ہفتے میں دو دن اپنی بیٹی کو لے کر جاتا ہوں۔ باقی وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ تمہیں میری طرف سے کوئی پریشانی نہیں ملتی۔ اور اس سب کا صلہ تم نے میری پشت پہ وار کر کے دیا۔'' اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔ نوشیرواں اب ذرا کم غصے سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ اندر سے پریشانی بھی تھی' شہری بیٹی کے بغیر کیسے رہے گی؟

''میں سونیا کے بغیر کیسے رہوں گی؟ تم یہ نہیں کر سکتے۔'' اس کا سارا طنطنہ جھاگ بن کر بیٹھ گیا۔

''یہ تو پہلے سوچنے والی بات تھی۔ دو دن گزارو' اور تیسرے دن میری بیٹی کو واپس چھوڑ جاؤ۔ اور یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ میری بیٹی کو میری مرضی کے بغیر تم دنیا کے کسی ملک لے جانا تو کیا' اس ملک سے بھی نہیں نکال سکتیں۔''

''اس نے صرف پاس ورڈ مانگا تھا۔ اسے وہ واپس چاہیے تھا جو تم نے اس سے لیا تھا۔ مجھے نہیں پتا وہ کس چیز کی بات کر رہا تھا۔ تم میرے ساتھ یوں مت کرو ہاشم۔''

ہاشم چونکا۔ پھر سر جھٹکا۔ ''نہیں پتا تھا تو اس کی مدد کیوں کی؟ تمہاری بیٹی کا باپ ہوں میں اور یہ تمہاری بیٹی کا چچا ہے۔ جس کو تم نے یوز کیا۔ سو اب تم سونیا کو نہیں لے کر جا رہیں۔'' قطعی انداز میں کہہ کر وہ مڑ گیا۔ دونوں تیز تیز کار تک واپس آئے۔ دروازے جھٹ کھولے گئے۔ شہری کھڑی رہی' بے بسی' پریشانی سے لب کاٹتی۔

''میں نے سعدی کو انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا۔'' ہاشم بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔ نوشیرواں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

''مطلب؟''

''کیا تم سن نہیں رہے تھے؟ اسے وہ چاہیے تھا جو میں نے اس سے لیا تھا۔ وارث کے لیپ ٹاپ کے ڈاکومنٹس۔ وہ میرے پاس تھے۔'' کہتے ہوئے شوفر کو اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔

''مگر پندرہ منٹ میں وہ کتنے ڈاکومنٹس پڑھ سکتا ہے؟''

''شاید ایک بھی نہیں۔ مگر پندرہ منٹ میں وہ ان سب کو کاپی ضرور کر سکتا ہے۔'' کہہ کر ہاشم جیسے ساری دنیا پہ لعنت بھیج کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

نوشیرواں خاموش ہو گیا۔ اسے شہری کی حالت دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔ شہری کا قصور نہیں تھا۔ یہ سعدی تھا جو ہر چیز کے درمیان آیا تھا۔ اس کا قصوروار ہمیشہ سعدی نکلتا تھا۔

❖❖❖

ہمی نہیں تھے ہماری طرح کے اور بھی لوگ ..... عذاب میں تھے جو دنیا سے سوچتے تھے الگ

صبح کی سنہری سفیدی میں گرمی کی حدت بڑھتی جارہی تھی۔ مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں چلتے ایرکولر نے ٹی وی والے کمرے کو قدرے ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ ندرت ادھر ادھر بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ راہداری کی گول میز پہ بیٹھے حنین اور اسامہ کو لیکچر بھی جاری تھا۔

''اتنا نہیں ہوتا کہ جو چیز اٹھاؤ' اسے جگہ پہ رکھو۔''

''امی! میں سب کچھ جگہ پہ واپس رکھتا ہوں۔'' سیم نے احتجاج کیا۔

''جی.... مگر کسی اور کی جگہ پہ....'' حنین نے بات مکمل کی۔ وہ ساتھ چائے بھی پی رہی تھی۔

''تم تو جیسے سب ٹھیک رکھتی ہو نا۔ ابھی تمہاری الماری کھولوں تو کپڑوں کا ماؤنٹ ایورسٹ نیچے گرے گا۔''

''اور جیسے تم اس ماؤنٹ ایورسٹ تلے دب کر زخمی ہو جاؤ گے۔'' اس نے سکون سے دوسرا گھونٹ بھرا۔ آج فرنچ چوٹی بنانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ کھلے بال سیدھے مگر ذرا بکھرے ہوئے تھے۔

ندرت مزید ان دونوں کو کچھ کہے بغیر راہداری سے گذر کر سعدی کے کمرے تک گئیں۔ اتنا تو وہ دیکھ چکی تھیں کہ وہ فجر تک کام کرتا رہا تھا۔ پھر سو کر نو بجے اٹھ بھی گیا۔ بیڈ پہ بیٹھا جوگرز کے تسمے باندھ رہا تھا۔ ندرت نے پیار سے اسے دیکھا۔ وہ بڑا ہو گیا تھا اور لمبا بھی' مگر اس کے چہرے پہ ایک نوعمر لڑکوں والی سادگی اور معصومیت اب بھی تھی۔ وہ سیدھا ہوا تو ماں کو کھڑے پایا۔ ستی ہوئی آنکھوں سے مسکرایا۔

''کیا باتیں ہوئیں بڑے ابو سے؟'' وہ اٹھ کر لیپ ٹاپ بیگ میں سمیٹنے لگا۔

''وہی ان کی پرانی فکر۔ زمر کی شادی۔'' انہوں نے تھکی ہوئی سانس کھینچی۔ سعدی خاموشی سے چیزیں سمیٹتا رہا۔

''وہ اس کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں مگر وہ نہیں مانتی۔ سعدی! تم سمجھاؤ نا۔ اب تو تمہاری بات چیت ہوتی ہے پھپھو سے۔ اور تمہاری بات تو وہ ہمیشہ مانتی ہے۔''

سعدی نے بیگ کا اسٹریپ کندھے پہ ڈالا۔ چہرے پہ چھپائے حزن کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کچھ کہنے لگا تھا کہ فون بج اٹھا۔ جیسے جان بچ گئی۔ ندرت بات بھول کر واپس چلی گئیں اور اس نے انجانا نمبر اٹھا لیا۔

''ملنا ہے مجھے اسی وقت۔ کدھر آؤں؟'' فارس کے الفاظ بھی اسی کی طرح ہوتے تھے۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔

''میں تو نکل رہا تھا.... آ.... ریسٹورنٹ آ جائیں۔'' اس نے درمیان کا راستہ نکالا۔

''آدھے گھنٹے تک۔'' اور فون بند۔

''یہ ماموں بھی نا.... آگے پیچھے کی بات نہیں کریں گے کبھی۔'' اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ پھر ندرت کی باتیں یاد آئیں۔ پھپھو کیا اب بھی اس کی مانتی تھیں؟ اوں ہوں۔

وہ باہر آیا تو حنین ہاتھ ہلا کر پرجوش سی سیم سے کہہ رہی تھی۔

''اور اتنے بڑے بڑے کھلے لانز.... سیم! تمہارا دل نہیں چاہتا کہ ہمارا بھی اتنا.... بڑا گھر ہو اور خوب دولت ہو ہمارے پاس بھی۔ نہیں' یہ نہیں ہے کہ ہمارا چھوٹا گھر مجھے برا لگتا ہے' یہ سب بھی اچھا ہے۔ مگر زیادہ بڑا گھر.... سوچو سیم!''

سیم نے پیچھے سے سعدی کو آتے دیکھ لیا تھا۔ سو جواب نہیں دیا۔ اس کو صحیح جواب معلوم ہی نہ تھا۔

''تم تو ہو ہی کنویں کے مینڈک۔ تمہیں کیا پتا۔ لیکن....'' وہ افسردہ ہوئی۔ ''اگر میں یہ بات اپنی کسی دوست سے کرتی تو وہ کہتی کہ لالچ بری بلا ہے۔ کیا زیادہ پیسے کی خواہش ہونا بری چیز ہے؟''

''بالکل بھی نہیں۔'' عقب سے آتے سعدی نے کہتے ہوئے اس کا کپ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔

حنین چونکی' مگر بھائی کو دیکھ کر مزید پرجوش سی پوچھنے لگی۔ ''مگر کیسے بھائی؟''

''ہر کسی کا دل چاہتا ہے کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہو مگر لوگ یہ اعتراف کرنے سے ڈرتے ہیں' کہیں ان کو غلط یا لالچی نہ سمجھا جائے۔ ارنہ مال کی محبت بری بات نہیں ہے۔ زندگی میں اونچے گول ہونے چاہئیں۔ یہ انسان کو متحرک رکھتے ہیں۔ بس ان کو حاصل کرنے کے لیے غلط طریقہ نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی تو اللہ کی یاد کے لیے مال کی محبت اختیار کی تھی نا۔''

حنین کھلے دل سے مسکرادی۔ وہ ایسا بھائی تھا جس سے با آسانی سب کہا جا سکتا تھا اور وہ آپ کو بالکل جج نہیں کرتا تھا۔

.....❖❖❖.....

نہ تکلف نہ احتیاط نہ زعم ..... دوستی کی زبان سادہ تھی

ریسٹورنٹ نیم ویران تھا۔ ان کا کاروبار ویسے بھی کوئی بہت فائدے میں نہیں تھا۔ پھر بھی گزارہ ہو جاتا تھا۔ اس نے اپنی مخصوص میز پہ بیگ رکھا ہی تھا کہ فون بجنے لگا۔

''سنڈے کو بھی لوگوں کو چین نہیں آتا۔'' کہتے ہوئے جب نمبر دیکھا تو الرٹ سا ہو گیا۔

''سعدی! شہرین بات کر رہی ہوں۔'' وہ بیزار مگر ضبط سے بولی تھی۔

''جی.... میرے پاس ہے آپ کا نمبر۔ سوری میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکا۔''

''اب اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہاشم ابھی ابھی یہاں سے نکلا ہے۔ وہ سونیا کو میرے ساتھ چھٹیوں پہ نہیں جانے دے رہا۔''

''مگر کیوں؟''

''یہ تو تم بتاؤ گے۔ کیا اس لیے مجھ سے مدد مانگی تھی کہ پکڑے جانے پہ سارا ملبہ مجھ پہ گرادو؟'' وہ تیزی سے بولی۔ سعدی کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''کیا....؟''

''تم نے ہاشم کے سامنے میرا نام کیوں لیا؟''

''میں نے.... ہاشم کے سامنے.... کس نے کہا یہ آپ کو؟'' وہ شاکڈ تھا۔ چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔

''کیا ہاشم کے گارڈ نے جب تم پہ تشدد کیا تو تم نے میرا نام نہیں اگل دیا؟''

''کیا؟ یہ ہاشم.... اف....'' وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ ''اس آدمی کو کوے کیوں نہیں کاٹتے۔ اس کے جھوٹ پہ یقین کر کے آپ نے اعتراف کر لیا؟ اف لکم (اف ہے آپ کے لیے)'' اس کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔ ''میں نے کچھ بتایا نہ مجھے کسی نے چھوا۔ اس سے زیادہ میں اپنی صفائی نہیں دوں گا۔''

شہرین نے گہری سانس لی۔

''مجھے تم پہ یقین ہے۔ وہ واقعی جھوٹ بول رہا تھا۔ بہر حال وہ جانتے ہیں کہ اس میں تمہارا ہاتھ ہے اور نوشیرواں مجھے سنگین نتائج کی دھمکی دے کر گیا ہے۔''

''نوشیرواں کیوں؟'' وہ چونکا۔

''میں نے اس کے ذریعے پاس ورڈ لیا تھا۔''

سعدی چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ اسے کچھ برا لگا تھا۔

''آپ کو نوشیرواں کو یوز نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''او کے.... ساری غلطی میری.... مجھے تمہاری مدد ہی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ ایک تو میں نے اتنا خطرہ مول لے کر تمہارا کام کیا' صرف اس لیے کہ تم مجھے فیور دے چکے ہو اور آگے سے تم مجھے اخلاقیات کی تلقین کر رہے ہو؟'' وہ تلخی سے بلند آواز سے کہے جا رہی تھی۔

''میں نوشیرواں کو پسند نہیں کرتا اور اس کی بالکل بھی عزت نہیں کرتا۔ مگر اس قصے میں وہ ڈائرکٹ انوالوڈ نہیں تھا۔ اس لیے اسے استعمال کرنے پہ مجھے افسوس ہوا ہے' بس یہی ساری بات ہے۔''

''اور یہ سارا قصہ ہے کیا؟'' شہرین نے پوچھا۔ سعدی خاموش ہو گیا۔

''خیر.... جو بھی ہے' مجھے میری بیٹی چاہیے سعدی۔ تمہاری وجہ سے وہ اسے میرے ساتھ نہیں جانے دے گا۔''

''آپ اس کی ماں ہیں۔ اسے خاموشی سے لے کر نکل جائیں۔''

''تاکہ وہ اگلے چوبیس گھنٹے میں میرے سر پہ پہنچ کر میری بیٹی چھین لے اور کبھی مجھے اس کی شکل بھی نہ دیکھنے دے؟ میں اس کو لے کر دنیا کے کسی بھی حصے میں چلی جاتی اگر مجھے یقین ہوتا کہ وہ وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اور پھر میں کیوں بھاگوں؟ میری زندگی یہاں سیٹل ہے۔ دوست' ماں باپ' سب یہاں ہیں۔ اور میں اس روٹین میں خوش تھی' مگر....'' اس کا گلا تھک گیا۔ وہ سانس لینے کو رکی۔

''آئی ایم سوری۔''

''سوری کافی نہیں ہے۔ تم ہاشم سے بات کرو۔ تم نے اس کا جو چرایا ہے' اسے واپس کر دو۔''

''یہ تو میں کبھی نہیں کروں گا۔ لیکن اگر آپ نوشیرواں سے ایکسکیوز کر لیں تو شاید وہ کچھ کر سکے۔''

''تم کیوں کچھ نہیں کر سکتے؟''

''میں آپ کو جھوٹی تسلی نہیں دینا چاہتا۔ ایمانداری سے بتا رہا ہوں۔ میری بات ہاشم نہیں مانے گا۔ آپ شیرو نہیں تو سونیا کو راضی کریں۔ وہ ضد کرے گی تو ہاشم مان جائے گا۔''

وہ کرسی پہ بیٹھا گلاس وال کو دیکھتے کہے جا رہا تھا۔ یکدم کوئی جھلک دکھائی دی۔ گہرے بھورے گھنگھریالے بال۔ اس نے چونک کر گردن موڑی۔ پھر عجلت سے خدا حافظ کہہ کر فون رکھتا کھڑا ہوا۔

وہ اس کو دیکھتی ہوئی آ رہی تھی۔ آنکھوں کا گلابی پن اب مدھم تھا۔ سعدی سانس روکے کھڑا تھا۔

وہ خوفزدہ تھا' پُر امید تھا۔

وہ پریشان تھا' خوش تھا۔

زمر خاموشی سے کرسی پہ بیٹھی۔ چہرہ بنا تاثر تھا۔ بال جوڑے میں تھے۔ ایک لٹ گردن کو چھو رہی تھی۔

''بھابی نے بتایا تم ادھر ملو گے۔'' سعدی کو دیکھتے ہوئے وہ متوازن لہجے میں بولی۔

(تو زمر گھر گئی تھیں؟ ایک ہفتے میں دوسرا چکر؟) سعدی بھی سر ہلاتا بیٹھا۔

''چھٹی پہ ہوں آج کل۔ کام وغیرہ ادھر لے آتا ہوں۔''

''آگے کا کیا ارادہ ہے؟'' زمر لحظے بھر کو بھی اس سے نظریں نہیں ہٹا رہی تھی۔

''کچھ عرصے بعد پی ایچ ڈی کے لیے جاؤں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ حنین کی کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے' پھر امی اور سیم کو ساتھ لے جاؤں گا۔'' وہ احتیاط سے بول رہا تھا۔ زمر کا کوئی بھروسہ نہیں' کس بات سے رات والے واقعے کا ذکر چھیڑ دے۔

''اور تمہاری شادی؟''

سعدی نے مسکرانے کی سعی کی۔ مگر زمر کی خود کو اندر تک دیکھتی پرسکون نگاہیں ڈرا رہی تھیں۔

''وہ تو امی اور آپ ہی طے کریں گی' جس سے بھی کر دیں۔'' سر جھٹک کر سعدی اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ پھر چہرہ اٹھایا تو وہ ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کہہ دیں پھپھو جو کہنے آئی ہیں۔''

''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' اس کی آنکھوں میں پھر سے گلابی لکیریں ابھرنے لگیں۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں چور نہیں ہوں۔ یوں دھوکا نہیں دے سکتا۔ ان کے گھر سے کچھ لیا ہے میں نے۔ اسی کو تلاش کرنے کے لیے وہ میری تلاشی لینا چاہتے تھے۔ مگر وہ مسز جواہرات کا نیکلس نہیں۔''

سعدی رک گیا۔ زمر کی بھیگی نگاہیں اس پہ ویسے ہی مرکوز تھیں۔ سعدی نے آنکھیں سکیڑیں۔ زمر کو دیکھتا رہا' دیکھتا رہا' یہاں تک کہ ایک دم اس کو جیسے دھکا لگا۔ آنکھوں میں شاک سا پھیلا۔ زمر چوری کی بات نہیں کر رہی تھی۔

''امی نے.... یا حنین؟'' وہ قصوروار کا نام جاننا چاہتا تھا۔

''بڑے ابا نے۔'' زمر نے بھیگے لہجے میں تصحیح کی۔ سعدی کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ لب بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔ پھر سر ہلایا۔

''میں ان کو اس کے لیے معاف نہیں کروں گا۔'' وہ بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ زمر کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ اندھیرے میں لڑکے شخص پہ کسی نے فلڈ لائٹس روشن کر دی تھیں۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا سعدی؟ مجھے کیوں دھوکے میں رکھا؟'' صرف سعدی کے سامنے وہ رو سکتی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ سعدی نے کاؤنٹر پہ کھڑے لڑکوں کو اشارہ کیا۔ ان سب نے فوراً شٹکلیں کچن میں گم کر لیں۔

''اگر مجھے پتا ہوتا تو تمہیں ایسے کبھی نہ کرنے دیتی۔ کیوں نہیں بتایا؟ کیوں نہیں جتایا؟ ایک دفعہ تو کہا ہوتا۔ غصے سے کہہ دیتے۔ لڑ کر کہہ دیتے۔ ہمارے درمیان تو بہت دوستی تھی۔''

''میں جتانے والا نہیں ہوں۔'' اس نے مجرم کی طرح سر جھکا لیا۔

''اپنا کیوں نہیں سوچا؟ اس عمر میں کوئی گردہ دیتا ہے کیا؟ آگے لمبی زندگی پڑی ہے تمہاری۔ شادی کرو گے' بچے ہوں گے۔ ایک گردے کے ساتھ کیسے رہو گے؟'' اس کا دل بری طرح دکھا ہوا تھا۔

''وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ واک کرتا رہوں' شوگر وغیرہ نہ ہو تو سب ٹھیک رہے گا۔'' جھکے ہوئے سر سے سادہ وضاحت دی۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں تمہیں یہ کبھی نہ کرنے دیتی۔ یہ گردہ تو کیا پتا اسی وقت ضائع ہو جاتا۔ کیا پتا کچھ سال بعد ضائع ہو جائے۔ میں تو اسٹیج پہ آ جاؤں گی۔ اپنے لیے تمہاری صحت کے ساتھ اتنا بڑا نقصان میں تمہیں کبھی نہ کرنے دیتی سعدی۔''

''اسی لیے نہیں بتایا۔'' اس نے گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔ زمر کا چہرہ آنسوؤں سے گیلا تھا۔ وہ چار سال پہلے والی زمر تھی۔ وہ ''اب'' سے واپس زمر بن گئی تھی۔

''میں ہم دونوں میں سے پہلا دھوکے باز نہیں ہوں زمر! کیا آپ نے کبھی مجھے دھوکے میں رکھ کر کچھ نہیں کیا؟ کیا میرے لیے نامہ کے لیے آپ نے کچھ نہیں کیا؟ یاد ہے جب ہم اسکول میں تھے' میں....''

''سعدی۔'' اس نے روکنا چاہا۔

''نہیں' مت روکیں۔ سنیں..... میں چھوٹا تھا۔ آپ مجھ سے آٹھ سال بڑی تھیں۔ آٹھ کلاسز آگے تھیں۔ ہمارا ایک ہی اسکول تھا۔ امی اور دادی کی نہیں بنتی تھی۔ ہم الگ رہتے تھے۔ ابو کے حالات اچھے نہیں تھے۔ مگر خوددار تھے۔ بڑے ابو کو ہوا نہیں لگنے دیتے تھے۔ پھر میں ان ہی کا بیٹا تھا۔ ان سے اسکول لے جانے کو پیسے نہیں مانگتا تھا۔ امی اور ابو اپنے مالی مسائل میں اتنے الجھے ہوتے تھے کہ خود سے دینے کا خیال بھی نہ آتا۔ میں گھر سے آدھی چیزوں کے بغیر آتا تھا۔ مگر اسمبلی سے کلاس میں واپس آتا تو میری جیومیٹری باکس میں پنسل' ربڑ' شارپنر' رولر اور وہ گیا تھا' ہاں'' ڈی'' (پروفیکٹر) وہ سب پورا ہوتا تھا۔ آپ بتاتے روز صبح میرا بیگ چیک کر کے چیزیں رکھ جاتی تھیں۔ اور آپ اسمبلی سے لیٹ بھی ہو جاتیں۔ اسی لیے ڈانٹ بھی کھاتیں۔ مگر زمر آپ ہمیشہ سے بہت determined (مستقل مزاج) رہی ہیں۔ جو ٹھان لی' اسے کرنا ہے۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔ اسے یوں سر جھکا کر بولتے سننا اچھا لگ رہا تھا۔

''اور ہر بریک میں مجھے ساتھ لے جاتیں۔ تب دو روپے کا سموسہ اور ایک روپے کی نمکو ہوتی تھی۔ آپ کہتیں' میں تین روپے لائی ہوں۔ میں ''چیز'' لے کر کھالوں گی' تم میرا لنچ کھالو۔ ان دنوں میں نہ لنچ لاتا تھا' نہ پیسے۔ آپ کہتیں امی نے جو کباب دیا ہے وہ مجھے نہیں پسند' تم لے لو۔ اور میں یقین کر کے کھالیتا۔ بہت دن بعد خیال آیا کہ کباب تو آپ کو بہت پسند تھے۔ بہت سالوں بعد خیال آیا کہ کبھی آپ کو کینٹین سے کچھ خرید کر کھاتے نہیں دیکھا۔''

زمر نے ہتھیلی سے آنسو رگڑے۔ پھر اداسی سے مسکرائی۔ ''ان دنوں بڑے ابا کی نوکری چلی گئی تھی۔ ہمارے حالات بھی اچھے نہیں تھے۔ دونوں باپ بیٹے خوددار تھے۔ میں دونوں کا بھرم رکھنا چاہتی تھی۔''

''ہاں..... میں..... بہت دیر سے سمجھا کہ آپ پیسے نہیں لاتیں۔ میرے لیے آپ سارا دن بھوکی رہتی تھیں۔ جب امی نے کاروبار کا سوچا تو میں نے کہا کہ ریسٹورنٹ کھولیں۔ کسی کو کھانا کھلانے سے پیارا احسان بھی کیا ہوگا؟''

''سب اپنے گھر کے بچوں کے لیے یہ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی بری بات نہیں ہے۔'' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

''میں چھٹی کے بعد کلاس فیلوز کے ساتھ ''برف پانی'' کھیل رہا تھا۔ جس لڑکے کی باری تھی' اس نے مجھے برف کر دیا اور اس سے پہلے کہ کوئی مجھے پانی کرتا' کسی بات پہ دو تین لڑکوں نے مجھے بہت مارا۔ میں کمزور تھا۔ چھوٹا تھا۔ وہ بڑے تھے۔ مجھے مار مار کر گرا دیا۔ میرے منہ پہ' کپڑوں پہ خون اور مٹی لگی تھی۔ آپ پتا نہیں کہاں سے آئیں۔ آپ نے مجھے اٹھایا' میرا چہرہ صاف کیا۔ اپنی یونیفارم کی پٹی سے خون صاف کیا۔ پھر پکڑ کر بنچ پہ ساتھ بٹھایا اور پوچھا ''ان لڑکوں کا نام بتاؤ۔ کلاس اور سیکشن۔'' میں ڈر گیا۔ کہا کہ جانے دیں۔ مگر آپ تو ناشروع سے ہی پراسیکیوٹر تھیں۔ آپ تو از گئیں۔'' وہ کوئی اور لوگ ہوتے ہیں جن کے سعدی کو کوئی مار جائے اور وہ چپ کر کے بیٹھ جائیں۔ میں تو غلط چیز پہ چپ نہیں رہوں گی۔ ہمارے سعدی کو کس نے مارا ہے؟'' آپ مجھے اسی طرح کہا کرتی تھیں۔ ''ہمارا سعدی۔'' اور اس وقت آپ کے یہی تین الفاظ تھے۔ نام' کلاس' سیکشن۔ مجھے بتانا پڑے۔ تب مجھے پتا چلا آپ کتنی مستقل مزاج ہیں اور ہیڈ مسٹریس بھی۔ آپ ان لڑکوں کے پاس گئیں۔ ان کو کچھ نہیں کہا۔ صرف پیار سے ان کے ماں باپ کے پتے پوچھے۔ پھر اللہ جانے کیسے آپ نے ان کے والدین کو اسکول بلایا۔ وہ لڑکے' مجھے' ٹیچرز' پرنسپل' سب کو ایک کمرے میں اکٹھا کیا اور پھر آپ نے وہ لمبی تقریر کی۔ وہ شرمندہ کیا ان کو کہ مجھے یقین ہے گھر جا کر ان لڑکوں کو مجھ سے زیادہ مار پڑی ہوگی۔''

زمر نرمی سے ہنسے جا رہی تھی۔ سعدی نے عرصے بعد اسے یوں ہنستے دیکھا تھا۔

''میں دس سال کا تھا جب آپ کی منگنی ہوئی تھی۔ پہلی منگنی۔'' اس کے اگلے الفاظ نے زمر کی ہنسی ٹھہرا دی۔

وہ سر جھکا کر کہنے لگا۔ ''ان کو شادی کی جلدی تھی۔ بڑے ابا نے سارا جہیز جمع کر لیا تھا۔ آپ نے انٹر کے بعد پڑھائی بھی بس کر دی۔

شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ دادی نے سارا سامان اسٹور میں رکھا تھا۔ کپڑے' فرنیچر' سب اوپر نیچے گھسایا تھا۔ میں اور آپ وہاں بیٹھے الماں لرتے تھے۔ آپ مجھے بہت شوق سے اپنی چیزیں دکھا رہی تھیں۔ میں نے زندگی میں کبھی دوبارہ آپ کو اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا تب دیکھا تھا۔"

"چھوڑو اس بات کو۔" اس نے تکلیف سے پہلو بدلا۔

"مجھے تو وہ سب یاد ہے۔ آپ چلی گئی تھیں۔ میں اکیلا تھا۔ میں نے کچھ جلایا تھا' یاد نہیں کیا' میں باہر آ گیا۔ مگر آگ نہیں بجھی۔ سارا اسٹور جل کر راکھ ہو گیا۔ اگر وہ اسٹور الگ نہ بنا ہوتا تو سارا گھر جل جاتا۔ بڑے ابا کے پاس جہیز دوبارہ بنانے کی رقم نہ تھی۔ لڑکے والوں کے پاس مہلت دینے کا ظرف نہ تھا۔ آپ کی منگنی ٹوٹ گئی۔ دادی کو شک تھا کہ اس میں میرا ہاتھ ہے۔ مگر آپ نے سب سے کہا یہ آپ سے ہوا ہے۔ آپ نے مجھ تک بات نہ آنے دی۔" میں نے پوچھا کہ کیوں جھوٹ بول رہی ہیں؟ تو آپ نے کہا۔ "سعدی! میں تمہیں پروٹیکٹ کر رہی ہوں۔ میں ہمیشہ تمہیں پروٹیکٹ کروں گی۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں تھا۔"

"تھا.... اور آپ کی دوسری منگنی ختم ہونے میں بھی میرا قصور تھا۔ میں نے آپ کو مجبور کیا تھا۔ وارث ماموں کے کیس کے لیے۔ میں نے آپ کو اس میں پھنسایا تھا۔ کیا اس سب کے بعد بھی اور دوسری ان گنت قربانیوں کے بعد بھی جو آپ نے ہمارے لیے دیں' میں آپ کے لیے اتنا سا بھی نہیں کر سکتا تھا؟"

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "کچھ بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا۔ یہ میری قسمت تھی۔ میں چار سال غلط وجہ سے تم سے خفا رہی یا شاید میں انکار کرتی رہی کہ تم خود.... تم نے بھی تو میری موجودگی میں آنا چھوڑ دیا تھا۔"

"میں چاہتا تھا ہم ناراضی میں کم سے کم سامنا کریں۔ مجھے پتا تھا ایک دن ہماری صلح ہو جائے گی۔ خون کے رشتوں میں صلح ہو ہی جاتی ہے۔ مگر میں درمیان کی تکلیف سے بچنا چاہتا تھا۔"

زمر نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا جو سر جھکائے لب کاٹتا کہہ رہا تھا۔ یہ وہی بچہ تھا جس کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ یہ اتنا بڑا کب ہوا؟

"کیا آپ کل رات کے لیے ابھی بھی ناراض ہیں؟" سعدی نے سر اٹھا کر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں کل بھی ناراض نہیں تھی۔ بس اپ سیٹ تھی۔"

"نکلنے سے پہلے ان کی نوکرانی مجھ سے ٹکرائی تھی بری طرح۔ اسی نے میرے کوٹ میں ڈالا ہوگا' مجھے یقین ہے۔"

"ہوں.... ہو سکتا ہے اس نے چرایا ہو۔ مگر پکڑے جانے کے خوف سے ایسا کیا ہو۔" وہ نشو سے آنکھوں کے کنارے پونچھتے اندازہ لگا رہی تھی۔

"زمر! ملازم مالک کے کہے بغیر اتنا بڑا اسٹیپ نہیں لیتے۔ یہ سب ہاشم نے کروایا ہے۔" مگر زمر جو کل ہاشم سے بدگمان ہو رہی تھی' اب وہ "بدگمانی" زائل ہو چکی تھی۔

"ہاشم کو ریکلس چاہیے تھا۔ اس لیے وہ تلاشی لینا چاہتا تھا۔ شاید مجھ سے کوئی بھولا بسرا بدلہ بھی اتارنا چاہتا ہو۔ مگر وہ اتنا برا نہیں ہے کہ یہ خود کروا تا۔ ورنہ وہ صبح مجھے فون کر کے معذرت نہ کرتا۔" وہ رسان سے سمجھا رہی تھی۔ "اس کو پتا تھا کہ ٹیکلس تمہاری جیب میں ہے' پھر بھی اس نے ہمیں جانے دیا۔ اس نے ہمیں بے عزت نہیں ہونے دیا۔ میں اس کے اس عمل کی قدر کرتی ہوں۔ خیر.... اب تم وہ کیسے واپس کرو گے؟"

''خود جاؤں گا اور دے کر آؤں گا۔ اور چونکہ وہ اتنے برے نہیں ہیں تو میرے اس عمل کی قدر کریں گے۔'' بظاہر سعدی نے نرمی سے کہا کہ وہ متنازع موضوع کو زمر کے ساتھ چھیڑ کر تازہ تازہ مندمل ہوتے زخم پھر سے نہیں کریدنا چاہتا تھا۔

ریسٹورنٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ سعدی چونکا۔ پھر بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ زمر نے گردن موڑی۔ فارس وہیں رک گیا تھا۔ زمر نے رخ واپس موڑ لیا تھا۔ ٹشو سے آنکھیں تھپتھپا کر صاف کیں اور اٹھی۔

بوجھل سی خاموشی نے سب کو گھیرے میں لے لیا۔

''پھر ملیں گے۔'' نرمی سے اس نے سعدی کا کندھا تھپکا اور مڑ گئی۔ فارس تیکھی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے مڑنے پہ شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

وہ متناسب چال چلتی دروازے تک آئی۔ فارس ہٹ گیا۔ زمر نے بس ایک سرد نفرت آمیز نگاہ اس پہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ فارس کی پیشانی پہ بل پڑے۔ اس نے اکھڑے تاثرات کے ساتھ اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹک کر آگے آیا۔

''آئیں... بیٹھیں....'' سعدی نے احترام سے اشارہ کیا۔ مگر وہ کھڑے کھڑے تنے ابرو کے ساتھ اسے گھورتا رہا۔

''ایک دفعہ پوچھوں گا۔ سچ نہ بتایا تو اگلوانے کے سارے طریقے آتے ہیں مجھے۔''

''کیا ہوا؟'' سعدی حیران ہوا۔

''جس روز میں رہا ہوا تھا اس رات تم میرے کیس کے جج سے کیوں ملے تھے؟''

سعدی نے کچھ کہنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ وہ واقعی شاکڈ تھا۔ بے یقین تھا۔

''میں.... آپ کو کیسے پتا چلا میں اس سے ملا تھا؟''

فارس نے گہری سانس لی۔

''تو تم واقعی اس سے ملے تھے۔ میرا اندازہ ٹھیک تھا۔''

اور سعدی کو ایک دم اپنی بیوقوفی کا احساس ہوا۔ ظاہر ہے اگر اس نے جج کو مجبور کیا تھا تو فیصلے والی رات کو ہی ملا ہوگا۔ اف....

'انکار مت کرنا۔ اب دیر ہو چکی ہے۔'' فارس نے کرسی کھینچی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ افراتفری پھیلا کر اس نے سعدی کو گڑبڑا دیا تھا۔

''کیا دیا ہے اس کو مجھے رہا کروانے کا؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''آپ بے گناہ تھے۔''

''میں نے پوچھا کیا دیا ہے؟'' اس کی آنکھوں میں سختی بڑھی۔

''ان کے کچھ خفیہ راز معلوم تھے مجھے۔ ان کو ایکسپوز کرنے کی دھمکی دی۔ وہ مان گئے۔'' فارس ان ہی سخت تیوروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔''

''مجھے بھی قانون سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ایک بے گناہ کو پھانسی تک دھکیلے گا۔ میرے پاس جج کو دینے کے لیے لمبی چوڑی رقم نہیں تھی۔ یہ میرا واحد آپشن تھا۔ جو قانون روٹی نہیں دے سکتا وہ ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتا۔ اور وہ جج اتنا معصوم نہیں تھا۔ اس نے پھانسی صادر کرنے کے لیے پیسے لے رکھے تھے۔ میں نے اس کو اسی شے سے روکا۔ کبھی کبھی اچھے کو برا کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ برے کو سزا دلوا سکے۔'' اس نے مشہور مقولہ دہرایا۔ پھر اضطراب سے فارس کا چہرہ دیکھا۔

''کس نے پیسے دیے تھے جج کو؟'' وہ پتلیاں سکیڑ کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی نے سوچا کہہ دے ہاشم کاردار نے' مگر اول تو اس کے پاس ثبوت نہ تھے۔ دوم فارس یقین کیونکر کرتا؟ کیونکہ گرفتاری کے بعد سے اب تک ہاشم نے منہ زبانی ہمیشہ بظاہر فارس کا ساتھ دیا تھا۔ اور فارس اسے جتنا ناپسند کرتا ہو' وہ ہاشم کو اپنے بھائی اور بیوی کا قاتل نہ مانتا۔ اور اگر مان بھی لے تو اس کا غصہ جوانیلی جنس کی نوکری نے دبا دیا تھا' جیل کے چار سال واپس لے آئے تھے۔ ادھر فارس کو یقین آتا' ادھر جا کر وہ ہاشم کا گریبان پکڑ لیتا۔ کیا اتنی جلدی یوں اسے ہاشم کو خبردار کر دینا چاہیے؟ یا سب تیاری کر کے ایک ہی دفعہ حملہ کرنا چاہیے؟ وہ فائلز ابھی تک ڈی کوڈ نہیں ہوئی تھیں۔ سعدی نے فیصلہ کرنے میں لمحے لگائے۔

''جج نے نہیں بتایا۔ مگر میں پتا کروالوں گا۔'' وہ نگاہ ملائے بغیر لڑکوں کو آوازیں دینے لگا۔ ''کیا لیں گے آپ؟''

''سنو سعدی۔'' پھر اسے سختی سے سمجھایا۔ ''یہ میرے مسئلے ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ ان کو میں خود ہینڈل کروں گا۔ آئندہ تم ان معاملوں سے خود کو دور رکھو گے۔ بات سمجھ میں آئی ہے یا نہیں؟''

''مگر کافی تو لیں گے نا آپ؟'' وہ اتنی ہی معصومیت سے بولا تھا۔

''لے چکا میں سب۔'' فارس نے ناک سے مکھی اڑائی اور اٹھ گیا۔

''ماموں.... رکیں.... بڑے ابا نے آپ سے ملنا ہے۔''

فارس جاتے جاتے مڑا۔ ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔ شیشے کی دیوار پہ نظر ڈالی۔ وہ کب کی جا چکی تھی۔

''کل ان کے گھر چلیں گے۔''

''گھر؟'' اس نے ناگواری سے ابرو اٹھائی اور دوبارہ شیشے کی دیوار کو دیکھا۔

''وہ اس وقت گھر پہ نہیں ہوں گی۔ ان کی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ ہے۔ آپ نے انکار کیا تو بڑے ابا کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

فارس نے لب کھول کر بند کیے۔ متذبذب سا سر جھٹکا۔ ''اچھا کل دیکھیں گے۔ اور ہاں وہ موضوع ابھی ختم نہیں ہوا۔'' تنبیہہ کر کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

سعدی نے گہری سانس لے کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔

.....❖❖❖.....

پیر کی صبح ہر دوسرے آفس کی طرح وہاں بھی کاموں کی افراتفری پھیلی تھی۔ جواہرات باریک ہیل سے کوریڈور میں چلتی آ رہی تھی۔ گزرتے لوگوں کے سلام کا مسکرا کر سر کے خم سے جواب دیتی وہ ہمیشہ کی طرح دمک رہی تھی۔ راہداری کے سرے پہ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر کھول کر اندر آئی تو راستے بھر کی مصنوعی مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس کی جگہ تشویش نے لے لی۔

لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرتے ہاشم نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر واپس ٹائپ کرنے لگا۔ اس کا کوٹ اسٹینڈ پہ لٹکا تھا اور وہ مصروف لگ رہا تھا۔

''خیریت؟''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ لڑکا دو دن سے تمہارا سارا ڈیٹا لے کر بیٹھا ہے اور تم اتنے سکون سے کام کر رہے ہو۔'' میز پہ ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے وہ تشویش سے بولی۔ ''پہلی بات میرے ڈاکومنٹس سیکورٹی کی تہوں میں تھے جنہیں وہ نہیں توڑ سکتا۔ میں ابھی چار بندوں کے ساتھ اس کے گھر پہ دھاوا بول سکتا ہوں۔ اس کے سارے کمپیوٹرز اور فائلز نکال سکتا ہوں۔ مگر میں اس کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا کہ اس کے پاس میری کوئی کمزوری ہے۔'' کرسی گھما کر ماں کو دیکھتے ہوئے ہاشم تحمل سے کہہ رہا تھا۔ ''اور مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ اتنی جلدی میرا اتنا سارا ڈیٹا کاپی بھی کر

سکتا ہے۔ خیر جو بھی ہو وہ میرے پاس سب سے پہلے آئے گا۔ اور بالفرض اس کے پاس کچھ ہے بھی تو اس کو خاموش کروانے کے ایک سو ایک طریقے آتے ہیں مجھے۔ اب اپنی پریشانی کی دوسری وجہ بتائیں مجھے۔''

جواہرات نے گہری سانس لی۔ انگلی سے بال پیچھے کیے اور کرسی پہ بیٹھی۔

''تمہارا بھائی کہاں ہے؟''

''وہ آج پھر نہیں آیا؟ خیر! گھر پہ سو رہا ہوگا۔''

''وہ گھر پہ نہیں ہے۔ دوستوں کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے۔''

ہاشم نے موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

''ہاں.... شیرو کدھر ہے؟ اسے ڈھونڈ کر خبر دو مجھے۔'' اور فون میز پہ ڈال کر ماں کو دیکھا۔ ''مل جائے گا۔ آخر کہاں جانا ہے اس نے؟''

''وہ ڈسٹرب ہے' شہری کی وجہ سے۔ اسے سمجھاؤ ہاشم!''

''میں سنبھال لوں گا۔ کیوں فکر کرتی ہیں؟''

''سعدی کو بھی تمہیں سنبھالنا ہوگا۔ کیونکہ جب تک سعدی کو سزا نہیں ملے گی' شیرو کا غصہ ہلکا نہیں ہوگا۔ مجھے ڈر ہے وہ کچھ غلط نہ کر بیٹھے۔''

''ممی! کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم شیرو کو اس کا غصہ نکالنے کی بجائے غصہ کم کرنا سکھائیں؟''

''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ تم سعدی کا کچھ کرو۔ وہ ویسے بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جتنا سعدی اس کا راستہ کاٹے گا' اتنا ہی شیرو ہائپر ہوگا۔'' ہاشم کچھ کہنے لگا تھا.... مگر موبائل بجا۔ اس نے کال اٹھالی۔ ''ہوں.... ٹھیک ہے۔'' پھر ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

''وہ شوٹنگ کلب گیا ہے۔ اور وہ ٹھیک ہے۔ میں مل لوں گا اس سے۔ بے فکر رہیں۔'' نرمی سے مسکرا کر وہ آگے جھکا اور جواہرات کا ہاتھ دبایا۔ وہ بدقت مسکرائی۔ ہاشم پھر سے کام کی جانب متوجہ ہو گیا۔

.....❖❖❖.....

دوست ہیں دل میں ذہن میں دشمن ..... کوئی بھی مجھ سے دور نہیں ہے

سعدی نے گلاس ڈور کھولا۔ اندر آفس میں سارہ کرسی پہ براجمان گردن ترچھی کیے ایک فائل پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بس نگاہیں اٹھا کر اسے آتے دیکھا اور واپس لکھنے لگی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور رخسار سرخ گلابی ہو رہے تھے۔

''ڈاکٹر سارہ! میں نے یہ کام مکمل کر لیا ہے۔ فیلڈ رپورٹ تیار ہے۔''

اس نے سلام کے بعد کہتے ہوئے کاغذوں کا بنڈل میز پہ رکھا۔

''آپ کی تعریف؟'' سارہ نے لکھتے ہوئے پوچھا۔ سعدی نے ''اچھا'' والے انداز میں ابرو اٹھائی۔

''آپ اکثر کرتی رہتی ہیں۔'' کہہ کر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

سارہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر انگلی سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پہلے سیدھا ہوا' پھر کھڑا ہو گیا۔ سارہ نے قلم کی پشت لبوں سے لگائے اسے دیکھ کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

''آپ کی شکل دیکھی بھالی ہے۔ اوہ.... جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ اس پروجیکٹ کے سینئر انجینئر ہیں۔''

''جی میم! اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' میں نے ایک چھٹی کی درخواست دی تھی جو اپروو بھی ہوئی تھی۔''

''تو آپ نے چھٹی ختم ہونے سے پہلے آنے کی زحمت کیوں کی؟''

''پہلے میں بیٹھ جاؤں؟'' اس نے پوچھا۔ وہ اسی طرح خفگی سے اسے دیکھتی رہی۔ سعدی پھر سے بیٹھا اور بنڈل اس کی طرف دھکیلا۔

''آپ کا کام وقت سے پہلے کر دیا ہے۔ فیلڈ پہ جانے کی ساری تیاری بھی مکمل کر لی ہے۔ اب آپ وہ شکایت بتائیں جو آپ کو مجھ سے ہے۔''

سارہ نے فائل بند کی۔ ٹیک لگائی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے سعدی! تھر کے اس فیلڈ پہ ہزاروں لوگ کام کر رہے ہیں۔ اور ان سب کے اوپر اس عہدے پر پہنچنے والی میں واحد عورت ہوں۔ اور اس کی وجہ معلوم ہے کیا ہے؟''

''میرے جیسے ذہین اور قابل سینئر انجینئر کا ساتھ ہونا؟'' سعدی کی زبان پھسلی۔

''اپنے کام سے کمیٹڈ ہو کر رہنا اور بلاوجہ کے ناغوں سے پرہیز کرنا۔''

''آپ کو پتا ہے میں بلاوجہ چھٹیاں نہیں کرتا۔ اب بھی کئی کام تھے تو....'' وہ خاموش ہو گیا اور سنجیدہ بھی۔

''اتنے اہم کام کہ تم نے مجھے فارس کے رہا ہونے کا نہیں بتایا؟''

''آپ نے پوچھا ہی نہیں۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔

''پوچھا تھا میں نے۔ تم نے تو بات ٹال دی تھی۔''

''اچھا نا.... اب تو پتا چل گیا آپ کو۔'' وہ خوشگوار انداز میں گفتگو کی نوعیت بدلنے لگا۔ سارہ اب فکرمندی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''تم بہت پراسرار ہوتے جا رہے ہو۔ اب تو کچھ بتاتے ہی نہیں ہو۔''

''ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ میں نے کہا تھا نا اس بندے کے لیپ ٹاپ تک پہنچ جاؤں۔ پھر...''

''کون ہے وہ؟ کیا اسی نے وارث کو....'' سارے شکوے بھول کر سارہ نے آگے ہوتے احتیاط سے پوچھا۔ سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بس تھوڑا سا انتظار کر لیں اور یہ سب مجھے سنبھالنے دیں۔'' مسکرا کر بشاشت سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سارہ کی آنکھوں میں شکایت پھر سے عود کر آئی۔

''لڑکے.... تم اگلے ماہ مجھے فیلڈ پہ اپنے ساتھ چاہیے ہو۔ تیاری کر لو۔''

''راجر.... باس....'' مسکرا کر ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا اور جانے کو مڑ گیا۔

سارہ نے بمشکل مسکراہٹ دبائے سر جھٹکا۔ ''یہ سعدی بھی نا۔''

.....❖❖❖.....

یہ ہیں اہل دنیا کے دلچسپ دھوکے ..... کسی کو کسی سے محبت نہیں ہے

نوشیرواں شوٹنگ پوائنٹ پہ کھڑا تھا۔ اس کی لین میں ایک پتلا پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پستول پکڑے بازو سیدھے کیے۔ ایک آنکھ بند کیے نشانہ باندھا۔ کانوں پہ پہلے ہی ہیڈ فون ٹائپ ایر پروٹیکشن پہنے ہوئے تھا اور آنکھوں پہ زرد گلاسز۔ تاک کر اس نے فائر کیا۔ ایک، دو، تین، چار.... سب دل کے آس پاس لگے۔ دل ٹوٹنے اور پھٹنے سے بچا رہا۔

''ہاتھ سیدھا رکھو۔ کندھے مت جھٹکو۔ اس پوائنٹ کو دیکھو۔'' اپنے قریب ہاشم کی مدھم آواز سن کر وہ چونک کر مڑا۔ گلاسز لگائے

کیپ پہنے ہاشم اس کو دیکھے بنا آگے ہو کر اس کے ہاتھ کو سیدھا کر رہا تھا۔ نوشیرواں نے ہولے سے سر جھٹکا۔ بیزاری ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ مگر چونکہ وہ ہاشم کی آمد سے بیزار نہیں ہوا تھا' سو ناکام رہا۔ اس کا بازو سیدھا کر کے ہاشم پیچھے ہٹا۔

''ہوں.... اب نشانہ لو.... پوری یکسوئی سے۔'' اس کے کندھے کے پیچھے کھڑے ہوئے وہ پتلے کو دیکھ کر بولا۔ نوشیرواں نے پتلے کو دیکھا۔ پلکیں سکیڑیں۔ گہری سانس اندر کھینچی اور فائر کیا۔

دل اب بھی نہیں پھٹا۔

وہ اکتا کر سر جھٹکتا ایک طرف ہو گیا۔ مشین نے وہ پتلا پیچھے کر کے فریش پتلا سامنے کیا۔ ہاشم اس کی جگہ پہ آ کھڑا ہوا۔ پستول کا اوپری حصہ پیچھے کر کے لوڈ کیا۔

''شہرین نہ اتنی خوبصورت ہے نہ اتنی متاثر کن کہ تم ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں نکلے۔'' دونوں ہاتھوں میں پکڑا پستول تاک کر نشانے پہ رکھتے وہ بولا۔

''وہ آپ کی بیوی رہی ہے۔'' شیر و سر جھکا کر جوتے سے فرش مسلنے لگا۔ وہ اس موضوع سے بچنا چاہ رہا تھا۔

''مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تم بتاؤ۔ تمہاری وہ پسند تھی' محبت تھی یا عشق تھی؟'' سامنے دیکھتے ہوئے ہاشم نے فائر کیا۔

گولیوں کی تڑتڑاہٹ شوٹنگ رینج کے اس اندرونی کمرے میں گونجی۔ یکے بعد دیگرے دو گولیاں پتلے کے دونوں ہاتھوں پہ لگیں۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' شیرو نے بیزاری سے شانے اچکائے۔

''فرق پڑتا ہے۔ اگر یہ پسندیدگی تھی تو شام تک تمہیں ٹھیک ہو جانا چاہیے۔'' کہتے ہوئے اس نے پھر فائر کیا۔ دونوں آنکھوں کے بیچ گولی نے سوراخ کر دیا۔

''اگر محبت تھی تو کچھ دن لگیں گے۔'' زوردار گونج کے ساتھ اگلی گولی پیشانی پہ ماری۔

''اور اگر عشق تھا تو...'' پتلے کا نشانہ لیے نظروں کے سامنے سرخ رومال سا لہرایا۔ ریڈ۔ سرخ۔ ''تو پھر یہ لاعلاج ہے۔'' آخری گولی دل پہ ماری۔ دل پھٹ گیا۔ ہاشم نے گلاسز اتارے۔ آنکھیں سکیڑ کر تنقیدی نگاہوں سے پتلے کا جائزہ لیا جسے اب پیچھے لے جایا جا رہا تھا۔ پھر علامتی طور پہ پستول کی نالی پہ پھونک ماری۔ اسے پینٹ کی پچھلی جیب میں اڑسا اور پرسکون سا نوشیرواں کی طرف مڑا۔

''پسند سے زیادہ' محبت سے کم۔'' وہ جوتے سے مسلسل فرش مسل رہا تھا۔

''یا شاید شہرین کے تمہیں استعمال کرنے سے زیادہ صدمہ تمہیں سعدی کے کہنے پہ استعمال کیے جانے پہ ہوا ہے۔''

نوشیرواں کے جھکے چہرے پہ مارے اہانت کے سرخیاں دوڑنے لگیں۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہاشم نے بہت غور سے اسے دیکھا۔

''سعدی کو دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے' معلوم ہے؟''

نوشیرواں نے سلگتی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''ڈی اے زمر سے؟''

ہاشم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اور اس کی نظر میں ہم اسے گرا چکے ہیں۔ ان کے خراب تعلقات نیکلس برآمدگی کے بعد مزید خراب ہو جائیں گے۔ جلد سعدی میرے پاس آئے گا اور میں اپنے طریقے سے اس کو سنبھال لوں گا۔ اگر وہ میرے لیے کام کرنے لگ جائے تو سوچو ہمارا غلام بن کر ہمیں کتنا فائدہ دے گا۔''

''وہ کبھی ہمارا غلام نہیں بنے گا۔ ناممکن!'' اور اتنا تو نوشیرواں اسے جانتا ہی تھا۔

''میں اسے ان دیکھی زنجیروں میں جکڑ لوں گا شیرو! ایک دن وہ میرے لیے کام کرے گا۔ اس کا ٹیلنٹ ہمارے حق میں استعمال

ہونا چاہیے۔''

''مطلب آپ کو ابھی بھی سعدی کی فکر ہے؟'' نوشیرواں کے اندر غصے کی نئی لہر دوڑی۔ ''وہ ساری زندگی مجھ سے مقابلہ کرتا آیا ہے۔ ہر جگہ مجھے پیچھے کر کے خود لوگوں کی تحسین بٹورتا آیا ہے۔ اس کے سامنے کبھی میں کچھ نہیں ہوتا۔ ہر کوئی اس کا معترف ہوتا ہے۔ آخر کیوں؟''

''کیونکہ وہ ایک خوددار اور ذہین نوجوان ہے۔ اس میں وقار ہے اور وہ رشتوں کا پاس کرنا جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے لیے اچھا سوچتا ہے اور مشکل میں ان کی مدد کرتا ہے۔ انسان کو عزت کرانی پڑتی ہے۔ اور یو نو واٹ' میں یہاں کھڑا ہو کر سعدی کی صلاحیتوں پہ دو گھنٹے مزید بھی بول سکتا ہوں۔ مگر مجھے تمہاری فکر ہے۔ کیونکہ میرے بھائی تم ہو۔ اس لیے اس شہرین ٹراما سے نکلو۔ آج پورا دن اس کا سوگ منا لو اور کل صبح تم مضبوط اعصاب کے ساتھ واپس آفس میں نظر آؤ۔ اور اس بارے میں' میں مزید ایک لفظ نہیں سنوں گا۔''

سختی و درشتی سے اس نے کہا تو شیرو کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھا۔ اس نے جی کہہ کر سر جھکایا۔ ہاشم اس کے برابر سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں نے گلاس اب ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ دنیا اب ذرا واضح نظر آ رہی تھی۔

❖❖❖

اب تو سیل درد تھم جائے' سکوں دل کو ملے ..... زخمِ دل میں آ چکی ہے اب تو گہرائی بہت

لاؤنج کی چوڑی کھڑکی کے باہر دھوپ پگھل رہی تھی۔ کچن میں تلتے کبابوں کی خوشبو یہاں تک آ رہی تھی۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا بہت محبت و اپنائیت سے صوفے پہ سر جھکائے فارس کو دیکھ رہے تھے۔ قریب ہی سعدی کھڑا فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

''اونہوں....'' نفی میں سر ہلاتے سعدی نے ان کا دوائیوں کا باکس کھول کر دیکھا۔ ''مجھے اچھی طرح یاد ہے میں کتنی گولیاں چھوڑ کر گیا تھا۔ آپ نے دو ہفتے میں صرف گیارہ روز کی دوا کھائی ہے۔''

فارس نے خاموشی سے بس نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ البتہ انہوں نے مسکراتے ہوئے تفتیش کرتے لڑکے پہ نظر ڈالی۔

''وہ ختم ہو گئی تھیں۔ یہ نئی منگوائی ہیں۔ صداقت سے پوچھ لو۔''

''بیٹے اور غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔''

''میرا پوتا آتا جاتا ہے' اس سے اچھی دوا کیا ہو گی میرے لیے؟'' انہوں نے سعدی کا بازو چھو کر فارس سے تائید چاہی۔ فارس جو آگے کو ہو کر الرٹ سا بیٹھا تھا' زبردستی مسکرایا۔ پھر وہی سنجیدگی طاری کر لی۔ وہ بے آرام سے بیٹھا تھا۔

''میں اس بات کو ابھی ٹال رہا ہوں' ختم نہیں کر رہا۔'' سعدی تنبیہہ کرتے ہوئے کھڑکی تک آیا اور باہر دیکھنے لگا جہاں پورچ میں اس کی کار کھڑی تھی۔ دوسری کوئی کار نہ تھی۔ زمر میڈیکل چیک اپ کے لیے گئی تھی اور اس کو آتے آتے بھی دو تین گھنٹے لگ جانے تھے۔ سو وہ بے فکر تھا۔

''آگے کیا کرو گے فارس؟'' وہ اب نرمی سے اسے دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

''پرانی نوکری واپس لینے کی کوشش کروں گا۔'' وہ رسمی سے انداز میں بتانے لگا۔

''اگر کوئی مدد....'' فارس نے ہلکا سا ہاتھ اٹھایا۔

''میرے پاس کچھ سیونگز ہیں۔ بہت ہے میرے لیے۔ آپ نے پہلے ہی بہت احسان کیے ہیں مجھ پہ۔ مزید نہ لوں گا نہ لیتے اچھا لگوں گا۔'' بنا کسی تاثر کے وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''میں جانتا تھا تم رہا ہو جاؤ گے۔ جج کو تمہاری بے گناہی کا یقین آ جائے گا۔''

فارس نے ترچھی نظروں سے باہر دیکھتے سعدی کو دیکھا۔ ''جی! سعدی بھی جانتا تھا۔''

جیبوں میں ہاتھ ڈالے چیونگم چباتے سعدی نے مڑے بنا کہا۔ ''میں نے سنا نہیں۔ کیا کسی نے میرا نام لیا؟''

اور ''کسی'' نے سر جھٹک کر چہرہ واپس موڑ لیا۔

''مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ اچھا لگ رہا ہے تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر۔''

''اوہ!'' سعدی نے بے اختیار چیونگم اگلی اور ڈسٹ بن میں پھینکی۔ پھر گھبراہٹ سے باہر دیکھا۔ نیلی کار اس کی کار کے پیچھے رکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل رہی تھی۔ گھنگھریالے بال ہاف بندھے تھے اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے وہ ایک جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

''آپ نے تو کہا تھا وہ دو بجے سے پہلے نہیں آئیں گی؟'' سعدی ہلکا سا بول پایا۔

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ مگر اسے یہاں سے وہ نہیں نظر آ رہا تھا جو سعدی دیکھ رہا تھا۔

زمر اس کی گاڑی کے پاس رکی۔ پھر اچنبھے سے لاؤنج کی کھڑکی کو دیکھا۔ سعدی ادھر کھڑا نظر آیا کہ وہ شیشے کے بہت قریب کھڑا تھا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی اور آگے بڑھ آئی۔ سعدی مسکرا بھی نہ سکا۔

وہ راہداری میں داخل ہوئی تھی کہ ٹرالی لاتا صداقت اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''باجی! آپ اتنی جلدی؟''

''ہاں.... اپائنٹمنٹ کینسل ہوگئی۔ ڈاکٹر کو کہیں جانا تھا۔ سعدی آیا ہے؟'' وہ سیدھی ڈرائنگ روم کی طرف آ رہی تھی اور اس کی آواز پہلے ہی ادھر پہنچ گئی تھی۔ بڑے ابا نے بے اختیار سعدی کو دیکھا۔

فارس ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

''آج تو ہمارا سعدی اتنے عرصے بعد....'' چوکھٹ پہ زمر کے الفاظ ٹوٹ گئے۔

فارس سامنے کھڑا تھا۔ ابا وہیل چیئر پہ' سعدی کھڑکی کے ساتھ۔ فارس کو دیکھ کر اس کی بھوری آنکھوں میں پہلے بے یقینی ابھری' پھر صدمہ اور آخر میں شدید غصہ۔ اس کے لب بھنچ گئے۔ اتنی سختی سے کہ گردن کی نسیں ابھرنے لگیں۔ تیز نگاہوں سے سعدی کو دیکھ کر جیسے جواب مانگا۔

فارس تیزی سے اس کے پاس سے گزر کر باہر کی طرف بڑھا۔

''یہ آدمی میرے گھر میں کیا کر رہا ہے؟'' وہ ابھی نکلا بھی نہ تھا جب وہ جواب طلب نظروں سے بڑے ابا کو دیکھ کر اونچی آواز میں بولی تھی۔

فارس لمحے بھر کو رکا' پھر تیزی سے نکلتا گیا۔

''اسے میں نے بلایا تھا زمر!'' بڑے ابا نے ملال سے اسے جاتے دیکھا۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟''

وہ بے یقینی' حیرت و صدمے سے اتنا بلند بول رہی تھی کہ صداقت راہداری میں ہی تھم گیا۔

''وہ بے گناہ ہے۔''

''اور میں بے گناہ نہیں تھی؟ آپ کو اس سارے معاملے میں' میں معصوم نہیں لگتی؟''

''زمر....'' سعدی نے کچھ کہنا چاہا۔

''تم تو بالکل خاموش رہو!'' انگلی اٹھا کر اسے چپ کرایا۔ سعدی نے سر جھکا لیا۔

مرکزی دروازہ کھول کر بند ہونے کی آواز آئی۔

''اگر آئندہ یہ آدمی میرے گھر میں داخل بھی ہوا تو میں یہاں نہیں رہوں گی ابا۔''

فارس پورچ عبور کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اہانت اور ضبط سے اس کے کان سرخ ہو گئے تھے۔ بڑے ابا کا دل بری طرح دکھا۔

''وہ میرے اصرار پہ آیا تھا۔ اس کا کیا قصور؟''

''یہ.... یہ.... سب....'' زمر نے پرس سے رپورٹس کے لفافے نکال کر زور سے میز پہ اچھالے۔ وہ سب بکھر کر نیچے لڑھک گئے۔

''یہ سب اس کا قصور ہے۔ آپ کے دو بچے ایک ایک گردہ کھو چکے ہیں تو اس آدمی کی وجہ سے۔ اور آپ اسے اپنے لاؤنج میں بٹھا رہے تھے؟ ابا! اس نے مجھے گولی ماری تھی۔ یہ وہی آدمی ہے۔''

''تم نے اسے یہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا.... تم....''

''مجھے پتا ہے یہ وہی تھا۔ مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ گلابی سرخ آنکھوں کے ساتھ پھٹے دل سے بولتی پلٹ گئی۔

صداقت سر جھکائے ٹرالی اندر لے آیا۔ سعدی نے گہری سانس بھری۔ آگے آیا' کباب اٹھایا' صوفے پہ براجمان ہوا اور اسے پلٹا۔

''مزے کا ہے۔ آپ بھی لیں نا۔''

وہ ابھی تک دل مسوس کر بیٹھے تھے۔ گردن دائیں طرف گرائے۔ زرد رنگت کے ساتھ۔

''وہ کیا سوچتا ہوگا۔ اور تم بھی اسے لے کر نہیں گئے۔ بے چارہ ٹیکسی پہ گیا ہوگا۔''

''اوہ چھوڑیں بڑے ابا! وہ بہت رف اینڈ ٹف ہیں۔ چار سال جیل میں چکی پیس کر آئے ہیں۔ ٹیکسی پہ جا کر گھل نہیں جائیں گے۔''

وہ اٹھا کر دوسرا کباب اٹھا رہا تھا۔

''وہ میرا مہمان تھا۔ گھر آئے کے ساتھ کوئی ایسے کرتا ہے؟ اور وہ تو تھا بھی معصوم۔''

''آپ ایسا کریں۔'' اس نے کباب توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''پھپھو کی شادی کرا دیں۔''

بڑے ابا نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں کرا سکتا ہوں؟''

سعدی نے چباتے ہوئے آنکھیں سکیڑ کر سوچا۔ ''ٹیکنیکلی ہاں۔ hypothetically شاید' اور پریکٹیکلی تو بالکل بھی نہیں۔'' امید سے شروع کی ہوئی بات کے آخر میں جھرجھری لے کر اس نے سر جھٹکا۔

بڑے ابا وہیل چیئر کے پہیے چلاتے اس کے قریب آنے لگے۔

''پڑھی لکھی لڑکیاں جب تیس عبور کر جائیں اور ان کے پاس نہ ختم ہونے والے دلائل ہوں تو ان کو کوئی شادی کے لیے مجبور نہیں کر سکتا اور....'' غم زدہ مسکراہٹ سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔ ''اور وہ تو اسے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی' زندگی میں کیسے کرے گی؟''

کباب میں کوئی ہڈی تھی شاید جو سعدی کے حلق میں پھنس گئی۔ وہ بے اختیار آگے جھک کر کھانسا۔ پھر چہرہ اٹھا کر اڑی رنگت کے ساتھ ان کو دیکھا۔

''میں نے.... یہ تو نہیں.... کہا۔''

''چھ فٹ کا پوتا پچیس سال کا ہو کر باہر سے ڈگری لا کر سمجھتا ہے کہ وہ دادا کی دوائیوں کی پرچی پڑھ سکتا ہے اور دادا اس کا ذہن نہیں پڑھ

سکتا۔''

سعدی نے بوکھلا کر دروازے کو دیکھا۔

''آہستہ بولیے۔ میں عاق کر دیا جاؤں گا۔''

بڑے ابا اداسی سے مسکرائے۔''یہ میری بھی خواہش ہے' ہمیشہ سے تھی۔ مگر وہ کبھی نہیں مانے گی۔''

سعدی بالکل چپ ہو گیا۔ تب ہی راہداری سے قدموں کی آواز آئی۔ سعدی نے جلدی سے کبابوں کی پلیٹ واپس رکھی اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''جاب پہ نہیں جا رہے ہو آج کل؟'' زمر اندر آئی۔ سامنے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی۔ لباس بدل کر فریش اور سنبھلی ہوئی تھی۔

''منڈے تک آف لیا ہے۔ کچھ کام نپٹانے تھے۔'' وہ بظاہر سرسری لہجے میں کہتے ہوئے گاہے بگاہے محتاط نظر اس پہ ڈالتا۔

''اگر تمہیں میرا وہ رویہ برا لگا ہے تو میں معذرت کرتی ہوں۔ مگر مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ اگر تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو تو تمہیں میں حق بجانب نظر آؤں گی۔'' نہایت ٹھنڈے لہجے میں وہ شروع ہوئی۔''میری زندگی کے کچھ اصول ہیں۔ میں جن کو پسند نہیں کرتی' ان سے بھی مل لیتی ہوں۔ مگر جن سے نفرت کرتی ہوں بالخصوص کسی ایسے شخص سے جس نے مجھے نقصان دیا ہو' تو اس کو میں اپنے اردگرد برداشت نہیں کر سکتی۔ اس بارے میں مجھے اپنے جذبات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' آخر میں ہلکے سے شانے اچکائے۔

سعدی نے سر ہلایا۔ وہ جذبات نہیں' مگر ڈھیروں کرب چھپا کر آئی تھی۔

''آئندہ کچھ بھی ایسا نہیں ہوگا جو آپ کو تکلیف دے زمر! اور جو دے چکے ہیں' وہ ضرور بھگتیں گے۔''

''مجھے ان کے بھگتنے سے غرض نہیں ہے۔''

''مگر آپ تو انصاف' قصاص پہ یقین رکھتی تھیں۔''

''معاف میں نے ابھی بھی نہیں کیا سعدی! مگر میں زندگی میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔ میں خود کو مزید تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔''ابا آپ کو اس سے ملنا ہے تو ضرور ملیں۔ مگر میری موجودگی میں یہ مت کیا کیجیے۔''

''ہم نے تو یہی سمجھا تھا نا۔'' سعدی نے بمشکل خود کو کہنے سے روکا۔

''سعدی چاہتا ہے ہم کل رات اس کی طرف کھانا کھائیں۔'' بڑے ابا نے بات بدل دی۔ نہ تائید کی' نہ انکار کیا۔

زمر نے سعدی کو دیکھا جو متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی۔

''شیور! ہم ضرور آئیں گے۔''

سعدی کی رنگت واپس آئی۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا۔

''ہم سب انتظار کریں گے۔''

زمر کی مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

تم جسے نور صبح کہتے ہو ..... میں اسے گرد شام بھی نہ کہوں

رات کی سیاہ افشاں پورے شہر پہ جگمگا رہی تھی۔ کاردارز کے عظیم الشان قصر کے سامنے لان نشیب میں جاتا تو آگے انیکسی تھی۔

فارس دروازے پہ کھڑا چابیوں کے گچھے سے ایک لگا رہا تھا۔ جینز پہ بٹنوں والی شرٹ پہنے' کف کلائی پہ موڑے اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔